معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس۔ ایم۔ کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

• سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

• رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

• خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافہ کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

جلد ۱۶۱ ماہ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ مطابق ماہ جون ۱۹۹۸ء عدد ۶

فہرست مضامین

شذرات

توحید اسلام کی اصل الاصول اور مسلمانوں کا مابہ الامتیاز عقیدہ ہے، خدا کے قائل تو مشرکین مکہ اور کفار قریش بھی تھے، قرآن مجید نے خود انکے بارے میں صراحتاً کہا ہے کہ "اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے"۔ (عنکبوت ۲۹: ۶۱) مگر وہ خدائے واحد کو نہیں مانتے تھے چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے "جب انہیں اللہ واحد کی دعوت دی جاتی تو وہ اس کا انکار کرتے اور اگر اس کے شریک ٹھہرائے جاتے تو وہ مانتے"۔ (مومن ۴۰: ۱۲) دوسری جگہ فرمایا "جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل کڑھتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اسکے سوا دوسروں کا ذکر آتا ہے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں"۔ (زمر ۳۹: ۴۵) یہ ایسی عالمگیر مشرکانہ روش ہے کہ قرآن مجید کو واضح کرنا پڑا کہ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف ۱۲: ۱۰۶)

وحی الٰہی اور تعلیم محمدی نے توحید کے ایجابی اصول بیان کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ شرک و تعدد آلہہ کی تمام صورتوں کی نفی و تردید فرمادی اور اسکے تمام مظاہر اور شائبوں کا بھی سد باب کردیا اور مسلمانوں کے اندر عقیدۂ توحید اس قدر راسخ کردیا کہ وہ ہر قسم کے شدائد و محن کے باوجود اس کو چھوڑنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے، ابتدائے اسلام میں ان پر کیسے سخت مظالم ڈھائے گئے مگر وہ خدا کو ایک کہنے سے باز نہ آئے، حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے، وہ ٹھیک دوپہر میں ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کر پائیں لیکن اس وقت بھی انکی زبان سے احد کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالہ کیا وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی رٹ تھی احد احد یعنی اللہ ایک ہے۔ مسلمانوں میں توحید اور دوسرے عقائد کے تعلق سے گو بہت سی خرابیاں در آئی ہیں لیکن ان کے تمام فرقوں کا طرۂ امتیاز توحید ہی ہے، وہ وطن تو کیا اپنے پیغمبر کو بھی جن پر اپنی جانیں چھڑکتے ہیں خدا کا ہمسر و مقابل اور معبود نہیں مانتے، اس کا اعلان ہر روز کئی بار وہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ کہہ کر کرتے ہیں،

اس اعلان میں بھی رسول اللہ ﷺ کی عبدیت کا وصف ان کی رسالت پر مقدم ہے۔

ہندوستان میں ایک ہزار برس سے بھی زیادہ عرصہ سے مسلمان آباد ہیں گو یہاں کی بڑی آبادی کا عقیدہ و مذہب انکے نظریۂ توحید کے بالکل منافی ہے، یہاں کی اقوام کے عادات و رسوم کے اثرات یک گونہ ضرور مسلمانوں پر پڑے لیکن ان کا عقیدۂ توحید مشرکانہ اثرات و توہمات سے بڑی حد تک محفوظ رہا اور جب بھی اس پر کوئی آنچ آئی تو علمائے ربانیین نے بروقت اس کے تدارک کا سامان کردیا اور مسلمان تثلیث کی بھول بھلیوں اور لاتمناہی خداؤں کے چکر میں نہ پڑے لیکن ملک کی آزادی کے بعد انکے دوسرے امتیازات و خصائص کی طرح اس مابہ الامتیاز بنیادی عقیدہ کے استیصال کے لیے نہایت حکمت عملی سے اسکیمیں بنائی گئیں اور نصاب تعلیم میں خدائے واحد کے تصور کو محو کردینے والی کتابیں داخل کی گئیں جن کے اثرات سے بھلا سادہ لوح اور کمسن بچے کس طرح محفوظ اور عقیدۂ توحید پر قائم و استوار رہ سکتے ہیں؟ کانگریسی حکومتیں جو کام تدریج اور آہستگی سے کررہی تھیں کہ انقلاب بھی آجائے اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلے انہیں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومتیں برق رفتاری سے کھلم کھلا انجام دے رہی ہیں کہ آیندہ انہیں پھر چانس ملے نہ ملے طرفہ تماشا یہ ہے کہ پارٹی مسلمانوں کو یہ طفل تسلی بھی دے رہی ہے کہ وہ نہ ان کی مخالف ہے اور نہ ان کے مفاد کے خلاف کام کرے گی

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ طفل تسلی بڑی موثر اور کارگر ہورہی ہے اور مسلمانوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے نئے وکیل اور حمایتی پیدا ہورہے ہیں اور صرف زاغ و زغن ہی نہیں بہت سے شاہین بھی زیر دام آتے جارہے ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد جن کو مسلم لیگ ہی نہیں کانگریس کے فرقہ پرستوں سے تا عمر گلہ رہا اور جو ناجنسوں میں پڑ کر وطن میں بھی اپنے کو اجنبی اور غریب الدیار سمجھتے رہے اپنے کو انکا پوتا گرداننے والے فیروز بخت صاحب انگریزی اخباروں میں اچھل کود کررہے ہیں اور ایک فسطائی اور فرقہ پرست جماعت کے گن گارہے ہیں۔ کشمیر کی وادیوں میں بھی الناس

علی دین مسلو کیھم کا منظر نظر آ رہا ہے - اور خبروں کے مطابق مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی اس میدان میں گوئے سبقت لے جانا چاہتے ہیں، وہ ۲۶ اپریل کو علی گڑھ میں دینی تعلیمی کونسل کے کنونشن میں حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں وندے ماترم کا آرڈر منسوخ کیے جانے کی تجویز منظور کی گئی اور ۱۰ مئی کے بیوپار منڈل کے ایک استقبالیہ میں مسلمانوں کو وندے ماترم کی مذمت و تنقیص سے باز آجانے کی دھمکی دینے لگے، یہ کشمیر ہی سے یونیورسٹی تشریف لائے ہیں ان کے فوجی اور غیر جمہوری مزاج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ڈھائی برس کے عرصہ میں انہیں کورٹ کے ارکان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، ہم تو مسلمانوں ہی کا رونا رو رہے تھے لیکن یہ فریب خوردہ شاہین ملک کو کہاں لے جائیں گے؟

گزشتہ حکومت کے زمانے ہی میں حیدرآباد میں مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کے قیام کا اعلان ہوا تھا لیکن ابھی وہ ابتدائی مراحل میں ہے اور خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوئی ہے اب حال ہی میں پٹنہ میں مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان ہوا ہے خدا کرے یہ دونوں یونیورسٹیاں جلد اپنے اصل کام شروع کر دیں۔ بڑی خوشی اس کی ہے کہ اول الذکر کی ذمہ داری پروفیسر شمیم جیراجپوری کو تفویض کی گئی ہے جو مشہور اور بڑے لایق سائنس داں اور مسلم یونیورسٹی کے شعبہ علم الحیوانات کے سربراہ تھے، یہ اعظم گڈھ ہی کے ایک ممتاز علمی و تعلیمی خانوادے کے فرد ہیں، اردو ان کی مادری زبان ہے اس کی محبت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ملک کے مشہور فاضل و محقق اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے سابق سربراہ پروفیسر مختار الدین احمد مقرر ہوئے ہیں، یہ دونوں انتخاب بہت موزوں اور مناسب ہیں، دونوں حضرات وسیع علمی، تحقیقی تدریسی اور تصنیفی تجربہ رکھتے ہیں، ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ انکی رہنمائی و سرکردگی میں دونوں یونیورسٹیاں اپنے مقاصد کی تکمیل اور صحیح خطوط پر کام کریں گی۔

مقالات

حرمِ نبوی ؐ کے واردات و مشاہدات

از مولانا حبیب ریحان خاں ندوی ازہری بھوپال

۱۳۹۹ھ میں راقم الحروف اپنی سیاہ بختی کے باوجود محض فضلِ الٰہی سے رحمتوں اور برکتوں کا مستحق ٹھہرایا گیا تھا اور رحمتوں کے مطلع، فیوض کے منبع اور تجلیات کے مصدر یعنی بیت اللہ کے دیدار سے مشرف ہوا تھا، آہ عمر کے یہ قیمتی دن اور راتیں لمحات بن کر گزر گئیں اب خواب و خیال کی لذت تا دمِ آخریں باقی رہے گی۔ دعاؤں کی استجابت کا یقین اس طرح پیدا ہوا کہ اس در پر حاضری کی دعا قبول ہوئی اور صرف ۶ ماہ بعد دوبارہ بیتِ معمور کا دیدار پھر نصیب ہوا، کعبۃ اللہ کی تجلیات و انوار کی تصویر کشی بہت مشکل ہے۔

حج کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف سفر ہوا تھا، صحرا کے ہر ذرہ اور پہاڑوں کی ہر چٹان اور چوٹی سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" کی صدا آتی تھی اس سے قبل "لبیک اللّٰھم لبیک لاشریک لک لبیک" کے نعرہ سے ساری وادی گونج اٹھی تھی اور ساری آبادی مستی و نشاط اور کیف و انبساط میں ڈوب چکی تھی۔

مسجد نبوی مرکز اسلام | مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ جہاں کی ہر نماز حرم مکہ یعنی کعبۃ اللہ کے بعد دنیا کی ہر مسجد سے زیادہ درجہ اور ثواب رکھتی ہے۔ جس مسجد کی اساس اور بنیاد تقویٰ و طہارت پر رسول پاک ؐ کے دستِ اقدس اور صحابہ کرام کی محنت سے رکھی گئی تھی، جس مسجد سے تاریخ اسلام وابستہ ہے۔

جہاں سے بیک وقت روح و جسم، دنیا و آخرت، حکومت و حکمت، انابت و طہارت، زراعت و تجارت، علم و عمل، وعظ و عدالت الغرض قرآن و سنت کی مکمل تعلیم دی جاتی تھی جو نبوت کا مرکز، تقویٰ و استقامت کا پیکر، اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ، اسلامی قضا کی عدالت عالیہ، تعلیم و تعلم کا مدرسہ، فیض اثر، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور بدر و حنین کی معرکہ آرائی کی تربیت گاہ تھی۔ الغرض شریعت اسلامیہ کے مکمل نظام، اسلامی سلطنت کے تمام امور، جسمانی اصلاح اور نفوس انسانی کے روحانی تزکیہ کے تمام مراحل کا منبع تھی۔ توحید باری تعالیٰ کی تعلیم کا سب سے بڑا ایوان، غیر اللہ کی نفی اور شرک جلی و خفی سے بیزاری کا سب سے بڑا اور مستحکم ستون اور نفسانی و شیطانی بیماریوں کا سب سے بڑا اور کامیاب شفاخانہ تھی۔

ہمایوں ساعت بیت اللہ کے بعد مسجد رسول اللہ میں داخلہ کی ساعت سے بڑھ کر ہمایوں ساعت کون سی ہو سکتی تھی اور اس جگہ سے بڑھ کر کعبۃ اللہ کے سوا منزل مبارک کون سی ہو سکتی تھی، دل جذب و شوق اور کیف و ذوق سے لبریز تھا اور لبوں پر یہ دعا تھی۔ "رب انزلنی منزلاً مبارکاً و انت خیر المنزلین" (اے میرے رب مجھے بابرکت جگہ پر اتار دے تو ہی بہتر اتارنے والا ہے)

ریاض الجنۃ "ریاض الجنۃ" جنت کی کیاری میں نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی بلکہ سب سے پہلی تحیۃ المسجد کی نماز مسجد میں داخل ہونے کے بعد اسی بقعۂ نور میں ادا ہوئی تھی، اسی کرۂ ارضی پر فردوس بریں سے لایا ہوا یہ قطعہ اس سرزمین پر جنت کا ٹکڑا اور قیامت کے وقت زمین و زمال اور ماسوی اللہ ہر مکین و مکاں کے تباہ و برباد ہونے کی ساعت یہ حضور پاکؐ کے گھر اور منبر کے درمیان کا مبارک حصہ ہر تباہی و گزند سے بچ کر سیدھا جنت میں اٹھا لیا جائے گا۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جنت کی کیاری کا مطلب یہ ہے کہ یا تو یہ حصہ جنت تھا جو یہاں سے اس زمین پر لایا گیا ہے یا زمین کا حصہ ہے لیکن جوں کا توں جنت میں لے جایا جائے گا یا مجازی طور پر اس قطعۂ ارضی کی عظمت و کرامت بیان کرنے کی غرض سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ حصہ گویا جنت کی ایک کیاری اور حصہ ہے تینوں معنی عربی زبان و لغت اور اسلوب بیان کے اعتبار سے صحیح ہو سکتے ہیں اور مقصود جو بھی ہو اتنی بات تو یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ اس قطعۂ زمین کی قیمت انمول ہے، یہ جنت کے برابر ہے اس میں نماز، عبادت اور توبہ کا بڑا ثواب ہے، خوش قسمتی پر جتنا بھی ناز کروں بہت کم ہے کہ متعدد بار اس مبارک، ہمایوں اور جنت نشان خطہ میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، رکوع و سجود ادا کیے، خدائے بے نیاز کے روبرو گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگیں پچھلی غفلتوں اور کوتاہیوں پر توبہ و انابت کی توفیق نصیب ہوئی، کاش یہ دعائیں قبول ہو چکی ہوں اور ریاض الجنۃ میں کھڑے ہونے کی سعادت پانے والا یہ گنہگار اپنے اعمال سے نہیں بلکہ محض فضل الٰہی سے خلد بریں میں داخلہ کا مستحق بارگاہ رحمت میں ٹھہر چکا ہو کہ یہی انسانی سعادت کا منتہیٰ ہے اور کسی بھی مسلمان کی معراج بھی یہی ہے۔

پھر جو درود و سلام عمر بھر نماز میں پڑھا کرتے تھے اور "السلام علیک ایہا النبی" دور رہ کر کہا کرتے تھے وہ ساعت بھی آئی جب روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر خالق ارض و سما کے حکم "صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کی تعمیل میں مودبانہ، دھیمی آواز میں خدا کے جمال و جلال کے پورے تصور کے ساتھ اور شرک کے ہر تخیل سے پرہیز اور نفی کرتے ہوئے شریعت کے مطابق خدا کے برگزیدہ نبی اور اشرف و اکرم المرسلین پر صلوٰۃ و سلام کی سوغات بھیجی۔ "السلام ... یا

نبی اللہ، السلام علیک یا حبیب اللہ، اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔
والے میرے اللہ اپنے نبی برحق کو میری شفاعت کی اجازت مرحمت فرما! السلام
علیک یا خلیفۃ رسول اللہ، السلام علیک یا عمر الفاروق۔

نبی کریمؐ کا عظیم مقام

محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور نام اس لیے بلند ہے
کہ اللہ نے اسے بلند فرمایا ہے "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" وہ اللہ کے رسول ہیں،
خاتم المرسلین ہیں۔ اللہ کی کتاب قرآن ان پر نازل ہوئی ہے۔ حج بیت اللہ ان کے
ذریعے فرض ہوا ہے، شریعت مطہرہ ان پر اتاری گئی ہے، اکمال دین، اتمام نعمت اور
تاقیامت اسلام پر رضامندی، خالق کی بشارت انہوں نے ہم تک پہونچائی ہے۔ اسلیے
جب جناب رسول خدا پر سلام بھیجا جاتا ہے، ان پر درود پڑھا جاتا ہے تو یہ ان کے
رفع ذکر کے لیے خدا کا دیا ہوا حکم ہے۔ رسول پاکؐ سے محبت، آپؐ کی عظمت، آپؐ
کے حکم کی تعمیل خدا کے حکم کی تعمیل ہے، خدا نے آپؐ سے محبت کا حکم دیا ہے، خدا نے
آپؐ کا رسالت و نبوت کے احترام کا حکم دیا ہے، رسول پاکؐ انسان ہی ہیں، خدا
نہیں، مخلوق ہیں خالق نہیں، مملوک ہیں مالک نہیں، بندۂ رب ہیں آقا نہیں، لیکن
خدا کے رسول ہونے، اشرف المرسلین و خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے افضل البشر
ہیں، خدا کی سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والے، توحید الوہیت و ربوبیت کے
سب سے بڑے پرستار اور سب سے زیادہ اس کو پھیلانے والے، مقام عبدیت
کے سب سے بڑے آشنا اور اس کو سب سے زیادہ عام کرنے والے، خدا کی خدائی
مالکیت، حاکمیت اور ذرہ ذرہ پر اس کی فرماں روائی، قدرت اور اقتدار کا سب سے
زیادہ اعلان کرنے والے، خدا کی اطاعت، محبت، ذکر اور یاد اور حکم برداری و اطاعت شعاری

کا سبق پڑھانے والے، خدا کی ذات و صفات کو واضح طریقے پر قرآن پاک کی آیات بینات
اور غیر متلو وحی حکمت کے ذریعے بیان کرنے والے۔

اس لیے آپ کو مقام خلت و محبت عطا کیا گیا، آپ کو محمد و احمد و محمود بنا دیا گیا ہے
کہ آپ اکبر الحامدین و رأس الشاکرین و اول المسلمین تھے، آپ پر ایمان، آپ کے لائے
قرآن پر ایمان، آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان واجب، آپؐ سے محبت ایمان کی علامت،
آپ کی اطاعت سرمایۂ نجات، آپ کی عزت و توقیر، آپؐ کی مدد و نصرت حکم الٰہی، اپنی جان
اہل و اولاد اور آبا و اجداد سے زیادہ آپؐ کا احترام اور ولایت و ود ایمان کے استحکام
کے لیے ضروری، آپؐ کا پیغام خدا کا پیغام ہے اس لیے اس کو سننا اور اس پر عمل کرنا
خدا کی رضامندی، دنیا میں کامیابی اور آخرت کی نجات کا ضامن، ان پر درود و سلام
خود درود بھیجنے والے اور سلام پہونچانے والے کے حق میں موجب رفع درجات و ذریعۂ
قرب الٰہی و رحمت یزدانی۔

خوف و خشیت، امید و آسرا، مدد و استعانت اور دعا و توبہ صرف اللہ سے۔

کعبہ خدا کا گھر ہے اور سب سے متبرک گھر،
رحمتوں، برکتوں اور تجلیوں کا مرکز، امن و امان
کا گہوارہ، دنیا کے بتکدوں میں سب سے پہلا توحید کا آشیانہ، روشنی کا مینارہ، رشد و
ہدایت کا منبع، منافع دنیوی و دینی، لیکن حکم یہی ہوا کہ کعبہ کی قسم نہ کھاؤ، رب کعبہ کی قسم
کھاؤ، خانہ کعبہ کا طواف کرو لیکن دل خدا کے ذکر اور جلوؤں کا آماجگاہ ہو، قرآن پاک
اللہ کا کلام ہے، مخلوق بھی نہیں ہے، ہدایت و روشنی کا حامل، ذکر و موعظت کا درس، سینوں
کی بیماریوں کی شفاء، قلوب کے لیے سکون کا سایہ، پھر بھی حکم یہی ہوا کہ قرآن کے نازل کرنے
والے سے مانگو کیونکہ "لِلّٰہِ الْأَمْرُ جَمِیْعًا" سارا معاملہ اور قبضہ اسی کا ہے اور اسی کی

رحمت و مرحمت، کائنات اور اس میں بسنے والوں کا آسرا ہے۔ اسی طرح رسول پاکؐ گو اشرف المخلوقات ہیں، سب سے افضل انسان ہیں، سب سے برگزیدہ بشر ہیں، رسول برحق نبی امین اور خاتم المرسلین ہیں۔ وہ خود خدا کی حاکمیت کے مُقر ہیں، صرف خدا سے مانگتے ہیں اور انسانیت کو خدا سے مانگنے کی تعلیم دیتے ہیں، غیر اللہ کی نفی کرتے ہیں۔ اس لیے ان پر درود و سلام بھیجو، اطاعت کرو، محبت کرو، ان کی قبر کے پاس توحید کے مظاہرہ کے ساتھ حاضری دو، نہ اس کا طواف کرو، نہ قبر کی پوجا کرو، نہ کسی اور قبر کو شرک کا مرکز بناؤ، نہ نذر و نیاز چڑھاؤ، نہ ان سے کچھ مانگو بلکہ ان کے اور تمہارے خالق و مالک قادر مطلق سے مانگو۔ خدا کے سوا نہ کسی سے ڈرو، نہ غیر اللہ سے امیدیں رکھو، نہ مدد و استعانت کے لیے اس کے سوا کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرو، نہ اس کے سوا کسی سے دعا اور توبہ کے لیے دل کا دروازہ کھولو، کیونکہ خوف و خشیت، امید و آسرا، مدد و استعانت اور دعا و توبہ سب عبادت کے مظاہر ہیں جو خدا کے لیے مخصوص ہیں، وہی حاجت روا، مشکل کشا، گنج بخش، ماویٰ و ملجا، حامی و ولی ہے، وہی ناصر و مددگار ہے۔

"اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" میں اس کا اقرار ہے، "یَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللّٰہَ" (صرف اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) میں انبیاءؑ و اصفیاء کے اسی کردار کی طرف اشارہ ہے۔

تمہارے نفع و ضرر اور سود و زیاں سب اسی مالک اور با اختیار جبروت ذات سے وابستہ ہے، اپنے نبی معصومؐ کو خطاب اس طرح ہے جو خطاب عام ہے اور ہر نفسِ انسانی اس کا مخاطب ہے "وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذاً مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا

کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" [یونس: ۱۰۶-۱۰۷] (اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو تمہیں نہ فائدہ پہونچا سکتی ہے نہ نقصان، اگر تم ایسا کروگے تو ظالموں میں سے ہو جاؤگے، اگر اللہ تمہیں کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو روکنے والا بھی کوئی نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے وہ غفور و رحیم ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نفع و ضرر کی ملکیت سے دست برداری اور خدا کی ملکیت کے اقرار کا اعلان اس طرح کرایا گیا ہے "قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرّاً اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ، وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ [الاعراف: ۱۸۸] (کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہونچتا، میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ماننے والوں کے لیے) اعلانِ حق نبی کے ذریعہ یہ کیا گیا ہے کہ "قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَداً۔ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرّاً وَّلَا رَشَداً۔ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَداً۔ اِلَّا بَلٰغاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ" [الجن: ۲۰-۲۳] (کہو میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، کہو میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا نہ کسی بھلائی کا، کہو مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے دامن

کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا، مگر میرا کام تو یہ ہے کہ اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہونچا دوں)

ان آیاتِ الٰہی اور احکامِ خداوندی کی روشنی میں نبی کریمؐ ایک دعا مانگا کرتے تھے "اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد" (اے ہمارے اللہ جس چیز کو دینے کا فیصلہ تو کردے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور جس چیز کو نہ دینے کا ارادہ تو کرلے تو کوئی دوسرا اسے دے نہیں سکتا اور تیرے مقابلہ میں کسی صاحبِ اختیار کی بڑائی یا کوشش نفع نہیں پہونچا سکتی) غرض اس سے متعلق بے شمار آیات واحادیث وارد ہیں۔

مغفرت وتوبہ کی بھی بے شمار آیات ہیں مثلاً "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (المومن: ۶۰) (تمہارے رب نے کہا مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرونگا) نیز فرمایا "وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ" (البقرہ: ۱۸۶) (اے نبی اگر میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں، لہذا انہیں چاہیے کہ مجھے پکاریں اور التجائیں کریں اور مجھی پر ایمان لائیں تاکہ وہ رشد وہدایت پائیں) اسی لیے دعا کرنا اور حاجت ومصیبت کے وقت مدد کے لیے پکارنا اسی ہستی کے ساتھ زیب دیتا ہے جو قریب تر ہو اور با اختیار ہو، دے سکنے کی طاقت وقدرت رکھتی ہو، غیر اللہ کی ذات فانی ہے اور صفات خدا کے مقابلہ میں ناقص ترین ہیں اس لیے وہ منصبِ عطا کے مستحق نہیں۔

عبادت، قربانی، مراسمِ بندگی، امورِ زندگی اور موت سب اللہ کے لیے -

سلسلۂ کلام میں مختصراً یہ بتانا ضروری ہے کہ جب مظاہرِ عبادت خشیت وخوف، آس وامید، خشوع وخضوع، دعا کرنا اور مانگنا اور توبہ واستغفار سب خدا کے لیے خاص ہیں تو پھر عبادت اور اس کی تمام فرض ونفل شکلیں بھی صرف اسی کے لیے ہیں "وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ" (میری ہی عبادت (بندگی) کرو، یہی سیدھا راستہ ہے) میں اس کا حکم ہے "إِيَّاكَ نَعْبُدُ" (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں) میں اس کا اعلان ہے "لَكَ نُصَلِّي" (ہم تیرے لیے نماز پڑھتے ہیں) میں خدا کے لیے نماز جیسی اہم عبادت کے ادا کرنے کا اقرار ہے اسی لیے نماز تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے، خدا کا نام لینا اور کبریائی کا اعلان عام کرنا فرض اور ضروری اور "نیت کرتا ہوں میں چار رکعت نماز ظہر فرض خاص واسطے اللہ تعالیٰ کے" خدا کا نام نہ لیا تو نماز نہیں ادا ہوگی اور غیر اللہ کا نام اگر لے دیا تو نماز نہ ہوگی اور راندۂ درگاہ ہوجائے گی، زکوٰۃ بھی اللہ کے حکم سے اور اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی نیت سے ادا کی جائے گی، روزہ بھی اللہ کے حکم کی تابعداری میں حصولِ تقویٰ ورضا کی نیت سے روزہ دار دن بھر کے روزے کے بعد افطار کے وقت اس حقیقت کا اعلان اس طرح کرتا ہے "اللھم لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت" (اے ہمارے اللہ صرف تیرے لیے اور تیری رضا کے حصول کے لیے میں نے روزہ رکھا اور صرف تجھ پر اور تیری خدائی پر ایمان لایا اور تیرے ہی اوپر میں نے کامل توکل اور بھروسہ کیا اور تیری ہی بخشی ہوئی رزق سے میں نے افطار کیا۔)

قربانی بھی صرف تیرے لیے اور تیرے نام سے ہے، اگر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو

اس جانور کا کھانا حلال نہیں اور اگر غیر اللہ کا نام جانور پر ذبح کے وقت لے دیا جائے تو وہ مردار اور اس کا کھانا حرام، جانور کو ذبح بسم اللہ اللہ اکبر سے کیا جانا ضروری اور مستحب کامل دعا میں اس حقیقت کا مکمل اظہار بھی کیا جاتا ہے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" (اے ہمارے اللہ میں نے اپنے چہرہ کے رخ کو (یعنی پوری زندگی، چہرہ، دل، اور اعضا سب کو) اس ہستی کی طرف کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کہو میری نماز، میری قربانی اور تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے مسلمان (سر اطاعت جھکانے والوں میں سے) ہوں)

حج بھی اللہ کے لیے ہے "وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ" (اللہ کے لیے لوگوں پر حج خانۂ خدا فرض کیا گیا ہے) تلبیہ یعنی لبیک اللھم لبیک" میں قلب و نظر کی اسی حضوری کا بار بار اعلان لاکھوں مسلمانوں پر دشت و جبل اور وادی و میدان میں باآواز بلند کرتے ہیں، جو خدا کی تمام تعریفوں، نعمتوں اور بادشاہتوں کا اثبات ہوتا ہے اور شرک سے تبری اور اس کی نفی کا مظہر۔

صحیح دین قیم کی علامت یہ بتائی گئی ہے "وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ" (البینۃ: ۵) (اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، دین

اور عبادت کو صرف اس کے لیے خالص کر کے (خلوص و اخلاص کے ساتھ یعنی اسی کی عبادت کی نیت سے) اور نماز کو قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اور یہی مناسب، صحیح اور درست دین ہے)

الغرض اخلاص اور اسلام الوجہ للہ کی دولت سب سے بڑی دولت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا" (نساء: ۱۲۵) (اس شخص کے دین سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس نے اپنے چہرہ کو اللہ کے تابع بنا دیا ہو اور وہ محسن ہو اور اس نے ملت ابراہیمی کی یکسو ہو کر پیروی کی ہو)

چہرہ کیونکہ جسم انسانی کا سب سے اشرف اور ظاہر حصہ ہے اور انسان کی پہچان ہے اگر سارا دھڑ غائب ہو جائے تو چہرہ سے اسے پہچانا جا سکتا ہے، سارا دھڑ موجود ہو اور چہرہ نہ ہو تو پہچاننے میں بڑی مشکل پیش آ سکتی ہے، اس لیے چہرہ بول کر پورا وجود مراد لیا جاتا ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ چہرہ کو مسلمان اور تابعدار بنانے کا حکم ہے، اس لیے دل کو اور اعضاء و جوارح کو ہی تابعدار نہیں بناؤں گا، اس لفظ سے پورے جسم و دل اور وجود کی تابعداری کے معنی مراد ہوتے ہیں، علاوہ بریں دل، آنکھ اور دوسرے اعضاء کی حکم برداری کے احکام بھی موجود ہیں، لیکن وہ اگر نہ بھی ہوتے تب بھی چہرہ کی تابعداری کا جملہ کافی تھا "تسلیم وجہ" کے معنی اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینے، اپنے آپ کو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دینے وغیرہ کے ہیں، محسن، احسان سے ہے، علماء نے محسن کے معنی موحد کے لکھے ہیں، کیونکہ سب سے بڑی نیکی جس کے بعد کوئی عمل مقبول نہیں وہ توحید کا اقرار اور شرک کا انکار ہے، اس کے

ساتھ ساتھ حسن کے معنی میں عمل کا درست اور نیکی کے طریقوں پر ہونا بھی شامل ہے، سورۂ لقمان آیت نمبر ۲۲ میں ایسے شخص کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے سب سے مضبوط اور بھروسے کے قابل سہارے کو تھام لیا۔

شرک ناقابل معافی جرم

توحید اسلام کی سب سے اہم بنیاد اور رکن ہے بلکہ اسلام کی روح توحید خالص ہے، اسلام کے معنی ہی میں خدائے واحد کی مکمل تابعداری داخل ہے اور ظاہر ہے کہ مکمل تابعداری شرک کے مظاہر کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتی، خدا کو اس کی ذات اور صفات و اختیارات سے محروم کرکے یا کسی غیر اللہ کو ان میں زیادہ یا کم شریک کرکے روح تسلیم باقی نہیں رہ سکتی، اسلام خدا کے لیے بندوں کی طرف سے عبودیت کاملہ چاہتا ہے اس لیے شرک اور مظاہر شرک اسلام کے لفظ و معنی اور روح و قالب کے خلاف ہیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و غفاریت سے ہر گناہ کی معافی کا پروانہ صادر کر سکتا ہے لیکن شرک معاف نہیں کرتا، یہ اصول قطعی اس فیصلہ کن آیت میں اس طرح بیان فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا" (نساء: ۱۱۶) (اللہ بس شرک کی بخشش نہیں کرتا اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہو سکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے (کیونکہ) جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، وہ گمراہی و حیرانی میں بہت دور نکل گیا)

شرک صرف ایک بڑا گناہ ہی نہیں ہے بلکہ خدائے پاک کے اقتدار الوہیت اور اختیارات ربوبیت و مالکیت و رزاقیت و آقائیت کے خلاف ایک چیلنج ہے، اس میں غیر خدا کو خدا کے اختیارات میں شریک بنایا جاتا ہے جو عقل کے لیے مضحکہ خیز چیز ہے اور انتہائی بے باکی اور جرأت ہے، شرک اس لیے بھی ناقابل معافی جرم ہے کہ یہ بغاوت ہے

دنیا کے کسی ملک کے قانون میں بھی گناہوں اور جرائم کی معافی تلافی اور سزاؤں میں کمی کا دستور ہے لیکن بغاوت یعنی اقتدار اعلیٰ کو ختم کرنا اور اس کی سعی کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔

شرک کی ابتدا اور رواج

ابتدائے آفرینش سے اللہ کا نازل کردہ دین اسلام ہے جس میں توحید ذات باری تعالیٰ ایک اہم ستون ہے اور مراسم بندگی و امور زندگی سب خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ہیں اور خالق کی ذات یا صفات میں مخلوق کی ذرہ برابر شراکت درست نہیں ہے، ہر نبی اور رسولؐ نے عبادت و مظاہر عبادت اللہ کے لیے ثابت کیے اور شرک کی نفی کی لیکن ہر زمانہ کی شرک پسند طبیعتوں نے ہر اس چیز کو خدا کا شریک بنانے کی جسارت کی جس سے کوئی امید یا فائدہ یا خوف و نقصان کا اندیشہ ہو، جیسے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، دریا، آگ، درندے، سانپ، بچھو، بندر اور دوسرے نفع بخش جانور، اسی طرح صالح اور برگزیدہ ملائکہ و اشخاص کو بھی خدا کا شریک اور خدا کی صفات میں ساجھی بنایا گیا، حضرت نوحؑ کے بعد بت پرستی کی ابتدا پانچ صالح افراد کی موت اور ان کے مجسمے بنا کر نصب کرنے کی وجہ سے شروع ہوئی، ابتداً تو لوگ ان معروف و معلوم ہستیوں کو یاد کرتے تھے، مرور زمانہ سے قوم کے بچے اور نوجوان جنھوں نے انہیں دیکھا نہیں تھا اور ان کے بڑے بڑے مجسمے گرمی، سردی، آندھیوں، زلزلوں اور حوادث زمانہ کی وجہ سے بگڑ گئے تھے، ان کے اعضاء ٹوٹ جانے سے ان کی شکلیں خوفزدہ ہو گئی تھیں، دھیرے دھیرے قوم نے ان سے ڈرنا شروع کیا، امیدیں باندھنی شروع کیں، نذر نیاز چڑھانی شروع کی اور شیطان نے انہیں یہ فلسفہ سکھایا کہ یہ خدا کے اوتار ہیں، بارگاہ قدس میں تقرب ہیں اور تمہارے سفارشی ہیں، خدا تک تمہاری التجائیں پہونچاتے ہیں اور تم سے مصیبتوں کو دور کراتے ہیں، حالانکہ خالق و قادر، سمیع و علیم خدا کو

ایسے سفارشیوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں، وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے اکیلا سب کی دعائیں سُنتا ہے اور سب کی مرادیں پوری کرتا ہے" آگے چل کر یہ مجسمے بت بن گئے اور عوام براہ راست ان کو دیوتا سمجھنے لگے۔

دنیا کی ساری قوموں میں بت پرستی کی ابتدا اسی طرح ہوئی اور عربوں میں بھی صالح افراد کی تقدیس اور تعظیم جب حد سے بڑھ گئی تو زندہ بزرگ پروہت بن گئے اور مردہ بزرگوں کے آستانوں کے مجاور بن کر بھولے بھالے عوام کو بہکانے لگے اور مادی ومعنوی بے شمار فوائد کے حصول کی غرض سے قوموں کو شرک کے زہریلے انجکشن لگانے لگے۔

شرک کے پھیلنے میں بزرگوں کی قبروں نے سب سے بڑا رول انجام دیا کیونکہ آج کل جس طرح قبر پر میت کے سرہانے پتھر یا نام کی تختی لگائی جاتی ہے قدیم زمانہ میں قبر کے سرہانے مجسمہ نصب کیا جاتا تھا، بزرگوں کی قبروں اور بتوں کے علاوہ پھر دوسرے بت اور قبریں بھی پوجی جانے لگیں، اسی حکمت کے پیش نظر حضور پُر نورؐ نے فتح مکہ کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت خالد کو یہ کہہ کر بھیجا کہ "کوئی منصوب (کھڑا ہوا) بت اور اونچی قبر باقی نہ رہے، بت کو توڑ دو اور قبر کو ایک بالشت سے زیادہ ہو تو برابر کر دو"۔

خالق ومخلوق کے حدود واضح

رسول اور نبی آتے رہتے تھے اور ظلمات شرک سے خدا کے بندوں کو نور توحید کی طرف بلاتے رہتے تھے، لیکن رسول پاکؐ کیونکہ آخری رسول تھے، اس لیے خدا کی حکمت تامہ نے قرآن کے ذریعہ شرک کے جراثیم کو پوری طرح مٹا دیا اور واضح تعلیمات کے ذریعہ خدائے خالق وقادر اور بندۂ محتاج وعاجز کے حدود متعین کر دیے،

چونکہ رسول پاکؐ افضل البشر اور فخر موجودات تھے، صاحب معراج ومعجزات تھے اس سے اس بات کا قوی امکان اور خطرہ تھا کہ آپؐ کی شخصیت کو شرک پسند طبیعتیں غلط طریقہ پر شرک کا ذریعہ نہ بنالیں۔

قرآن نے سب سے پہلے خدا کی خدائی اور اختیارات کو بے شمار آیتوں میں واضح کیا، وہ خالق ہے، مالک ہے، رب ہے، غفار الذنوب ہے، ستار العیوب ہے، شدید العقاب ہے، حاضر وناظر ہے، علام الغیوب ہے، دلوں کے رازوں اور آنکھوں کے اشاروں کو جاننے والا ہے، اس کا علم محیط ہے، اس کی قدرت لامحدود ہے، اس کی حمد وثنا ہے، وہ زندہ ہے، موت، نیند اور اونگھ بھی اس کو نہیں آتی، سب کی سُننے والا ہے اور سب کو بخشنے والا ہے، رزق، زندگی، پانی، آکسیجن، حرارت ہر چیز کا خالق ہے اور ساری مخلوقات کو ہر چیز عطا کرنے والا ہے، اکیلا کائنات کا خود مختار بادشاہ ہے اور حکمت وقدرت کے تقاضوں کے ساتھ اس کو چلا رہا ہے، ہر مخلوق اس کی مدد اور عنایت کی محتاج ہے۔

ان امور کی مزید تشریح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پاک میں کی گئی ہے، قرآن پاک نے آپ کو بار بار حکم دیا کہ ببانگ دہل یہ اعلان کر دو کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس کے حکم سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتا، تابعدار واطاعت شعار ہوں، سر تسلیم خم کرتا ہوں، اپنے لیے کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں، خود کوئی معجزہ نہیں لا سکتا جب تک مالک کا اذن شامل نہ ہو، خود غیب کا کوئی علم حاصل نہیں کر سکتا مگر خدا جو مجھے بتا دے جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس کے سوا میرے لیے نہ کوئی حامی ہے نہ ناصر، نہ اسکی پناہ کے سوا میرے لیے کوئی جائے پناہ ہے، میں اسی کی بندگی کرتا ہوں، اسی کے

حضور عاجزی سے دعا و توبہ و استغفار کرتا ہوں، میں اس کا رسول ہوں، اسی کا پیغام پہنچاتا ہوں، اس میں کسی رد و بدل یا زیادتی کمی کا مجاز و مختار نہیں ہوں، پھر اصولی طور پر تمام مخلوق کو عاجز و محتاج ثابت کیا گیا ہے، ان کی بشری صفات کو واضح کیا گیا ہے، وہ کھانے پانی، نیند کے محتاج ہیں، بیماریوں سے دوچار ہوتے ہیں، حوادث زمانہ کا شکار ہوتے ہیں اور موت سب کے لیے مقدر ہے کوئی حی لا یموت نہیں ہے۔

مدینہ طیبہ کی عظمت و احترام اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے دراصل یہ وہ خیالات و جذبات ہیں جو زیارت مدینہ و زیارت مسجد رسولؐ و مواجہہ شریفہ میں کھڑے ہو کر دل میں وارد ہوئے اور ہر حاجی یا زائر عمرہ پر جانے والے اور وہاں سے مسجد رسولؐ جاکر قبر کے پاس مواجہہ میں کھڑے ہونے والے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ان حقائق و اصولوں پر اس کی توجہ ضرور ہو، کیونکہ یہ بنیادی باتیں ہیں۔

مدینۃ الرسولؐ اسلام کے کمال و استحکام کا پایہ تخت بنا، حضور پرنورؐ کا وجود مبارک رحمت و برکت کا سایہ بن کر اس شہر پر رہا، شریعت یہاں مکمل ہوئی، اسلام کے ظہور اور دنیا میں غالب ہونے کا یہ مرکز بنا، یہاں کی گلیاں ان عطر بیز خوشبوؤں کی امین ہیں جو مہاجرین و انصار نے وحی الٰہی کی روشنی، نطق نبوی کی حکمت اور اسوۂ پاک کی عملی تربیت سے حاصل کیں اور دنیا میں تبلیغ و تذکیر، تعلیم و تدریس اور جہد و جہاد کے ذریعے انہیں باد سحر کی طرح پھیلایا جس سے شرک کی دنیا اجڑ گئی، خدا پرستی کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ تاریکیاں کافور ہو گئیں اور تا حد نظر اجالا پھیل گیا، ظلم کے بازو سمٹ گئے اور عدل و انصاف کا دامن دراز ہو گیا، انسانی تفوق و پندار کی جگہ مساوات و اخوت عام ہو گئی، قتل و خون، چوری، ڈاکہ، زنا کاری، غیبت، حسد، بداخلاقی اور جملہ

مفاسد اور بیماریوں کی جگہ خیر کی قدریں پھیل گئیں، شرافت، حسن اخلاق، ایک دوسرے کا خیال، امن و امان کا دور دورہ ہوا اور اللہ کی یہ زمین دوزخ کے شعلوں سے نکل کر بہشت ارضی کا نمونہ بن گئی۔

اس لیے مدینۃ الرسولؐ مدینہ طیبہ بن گیا، رسول پاکؐ کی ہجرت گاہ، مقر اور آپؐ کے جسد اطہر کا دائمی مسکن، اس شہر کی عظمت و احترام زبان و قلم اور لوح دل پر نقش ہو گیا، مسجد الرسولؐ ان تین عظیم یادگاروں میں بن گئی جن کے لیے سفر کرکے جانا مشروع و مستحب ہوا، اس مسجد میں ریاض الجنۃ ہے، قبر رسول پاکؐ ہے۔

رسول پاک کا مقام رفیع ہے، کلمہ و اذان میں آپؐ کا نام نامی شامل ہے، آپؐ پر درود و سلام ضروری ہے اور درود بھیجنے والے اور سلام کرنے والے کے لیے بے شمار رفع درجات کا باعث ہے، دنیا کے کسی کونے سے بھی درود و سلام پڑھا جائے خدا نے اس کو قبولیت کا مقام بخشا ہے اور پہنچانے کا انتظام فرمایا ہے، مواجہہ شریفہ میں درود و سلام انسان کی بہت بڑی سعادت ہے، اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ (باقی)

حضور عاجزی سے دعا و توبہ و استغفار کرتا ہوں، میں اس کا رسول ہوں، اسی کا پیغام پہنچاتا ہوں، اس میں کسی رد و بدل یا زیادتی کمی کا مجاز و مختار نہیں ہوں، پھر اصولی طور پر تمام مخلوق کو عاجز و محتاج ثابت کیا گیا ہے، ان کی بشری صفات کو واضح کیا گیا ہے، وہ کھانے پانی، نیند کے محتاج ہیں، بیماریوں سے دوچار ہوتے ہیں، حوادثِ زمانہ کا شکار ہوتے ہیں اور موت سب کے لیے مقدر ہے کوئی حیی لا یموت نہیں ہے۔

مدینہ طیبہ کی عظمت و احترام اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے دراصل یہ وہ خیالات و جذبات ہیں جو زیارتِ مدینہ و زیارتِ مسجدِ رسولؐ و مواجہہ شریفہ میں کھڑے ہو کر دل میں وارد ہوئے اور ہر حاجی یا زائرِ عمرہ پر جانے والے اور وہاں سے مسجدِ رسولؐ جاکر قبر کے پاس مواجہہ میں کھڑے ہونے والے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ان حقائق و اصولوں پر اس کی توجہ ضرور ہو، کیونکہ یہ بنیادی باتیں ہیں۔

مدینۃ الرسولؐ اسلام کے کمال و استحکام کا پایہ تخت بنا، حضور پُرنورؐ کا وجود مبارک رحمت و برکت کا سایہ بن کر اس شہر پر رہا، شریعت یہاں مکمل ہوئی، اسلام کے ظہور اور دنیا میں غالب ہونے کا یہ مرکز بنا، یہاں کی گلیاں ان عطر بیز خوشبوؤں کی امین ہیں جو مہاجرین و انصار نے وحیِ الٰہی کی روشنی، نطقِ نبوی کی حکمت اور اسوۂ پاک کی عملی تربیت سے حاصل کیں اور دنیا میں تبلیغ و تذکیر، تعلیم و تدریس اور جہد وجہاد کے ذریعے انہیں بادِ سحر کی طرح پھیلایا جس سے شرک کی دنیا اجڑ گئی، خدا پرستی کی بنیادیں استوار ہوئیں، تاریکیاں کافور ہو گئیں اور تا حد نظر اجالا پھیل گیا، ظلم کے بازو سمٹ گئے اور عدل و انصاف کا دامن دراز ہو گیا، انسانی تفوق و پندار کی جگہ مساوات و اخوت عام ہو گئی، قتل و خون، چوری، ڈاکہ، زناکاری، غیبت، حسد، بداخلاقی اور جملہ

مفاسد اور بیماریوں کی جگہ خیر کی قدریں پھیل گئیں، شرافت، حسنِ اخلاق، ایک دوسرے کا خیال، امن و امان کا دور دورہ ہوا اور اللہ کی یہ زمین دوزخ کے شعلوں سے نکل کر بہشتِ ارضی کا نمونہ بن گئی۔

اس لیے مدینۃ الرسولؐ مدینہ طیبہ بن گیا، رسول پاکؐ کی ہجرت گاہ، مقر اور آپؐ کے جسدِ اطہر کا دائمی مسکن، اس شہر کی عظمت و احترام زبان و قلم اور لوحِ دل پر نقش ہو گیا، مسجد الرسولؐ ان تین عظیم یادگاروں میں بن گئی جن کے لیے سفر کر کے جانا مشروع و مستحب ہوا، اس مسجد میں ریاض الجنۃ ہے، قبر رسول پاکؐ ہے۔

رسولِ پاک کا مقام رفیع ہے، کلمہ و اذان میں آپؐ کا نام نامی شامل ہے، آپؐ پر درود و سلام ضروری ہے اور درود بھیجنے والے اور سلام کرنے والے کے لیے بے شمار رفیع درجات کا باعث ہے، دنیا کے کسی کونے سے بھی درود و سلام پڑھا جائے خدا نے اس کو قبولیت کا مقام بخشا ہے اور پہنچانے کا انتظام فرمایا ہے، مواجہہ شریفہ میں درود و سلام انسان کی بہت بڑی سعادت ہے، اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ (باقی)

قصۂ غرانیق اور شیطانی آیات

تحریر ڈاکٹر شوقی ابو خلیل، لیبیا۔ ترجمہ سید علیم اشرف جائسی۔

استشراق اور تبشیر ہر زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف بستہ رہے ہیں۔ اسلام کے خلاف افترا پردازی اور سازش رسول اسلام، اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیات کے خلاف شبہات پیدا کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عیسائیوں کی نظر میں اسلام کی صورت کو مسخ کر کے پیش کیا جائے تاکہ ان سے اسلامی حقائق کو پوشیدہ رکھا جاسکے، دامنِ اسلام میں پناہ لینے کے "خطروں" سے انھیں ہشیار کیا جاسکے اور تبشیر کے ذریعے مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔ اس ضمن میں استشراق نے پہلے ہی اپنی خدمات کو عالمی تبشیر کے لیے مسخر کر رکھا ہے، بقول برطانوی مسلم لارڈ ہیڈلے[1]

"یہ بے حد افسوسناک حقیقت ہے کہ بہت سے مبشرین اور عیسائی مذہبی حضرات ہمارے دین حنیف کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، نہ جانے کتنی بار خود مجھ سے دوران گفتگو کہا گیا کہ: آپ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتے ہیں، چار شادیاں کرتے ہیں، عورتوں کو غیر ذی روح مانتے ہیں اور ان کے لیے مسجد میں داخلہ ممنوع قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ باتیں مجھ سے نیک نیتی اور پاکیزہ مقصد سے کہی جاتی ہوں لیکن یہ گمراہ کن پروپگنڈے اور لوگوں میں پھیلی ہوئی افترا پردازیوں کی واضح دلیل ہیں۔ بلاشبہ یہ حد درجہ کمینگی اور رذالت کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے دینی

عقیدے کی اشاعت کے لیے عمداً دوسروں کے دین کے خلاف بہتان تراشی اور افترا پردازی کی کوشش کرے"[2]

رواں صدی کے آغاز میں برطانوی کلیسانے لارا ہیلین کی تصنیف "عورت کے خواب اور اس کا پیغام" کی خوب خوب تشہیر کی تھی۔ کتاب مذکور لندن کے اسقف اعظم کے زیر نگرانی شایع ہوئی تھی جنھوں نے کتاب کے مقدمہ میں اس کی مبالغہ آمیز تعریف و توصیف کی ہے بلکہ "امت مسیح" اور تمام کلیساؤں کو کتاب کے مطالعے کی سفارش بھی کی ہے۔

لارا ہیلین کی اس کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"ذرا اس بھیانک اور خوفناک خطرے کو تو دیکھیے کہ نبی (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہلال جنس بشری میں سے ۲۲۲ ملین لوگوں پر سایہ فگن ہے اور مسیح کی صلیب کے خلاف اقوام و ملل پر قابض ہونے کی کوشش میں لگا ہے، بلاشبہ یہ ہلال جو کمان جیسی تلوار سے مشابہ ہے، اس نے تلوار کی دھار پر لوگوں کو دین (اسلامی) کی پیروی پر مجبور کیا ہے وہ دین جو مادہ پرستی اور شہوتوں میں غرق ہے"[3]

کتاب مذکور اسلام کے سلسلے میں بے شمار افترا پردازیوں اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں انتہائی ناپاک اقوال پر مشتمل ہے۔

باعثِ افسوس یہ ہے کہ معاملہ صرف جہل کا نہیں ہے جس نے انوارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے سے اہلِ مغرب کو محجوب کر دیا ہے بلکہ کذب و افترا، تحریف اور حق پوشی کی ان کی کمائی ان کے دلوں پر چھا گئی ہے جب بھی کبھی یوروپ میں کسی ایسے انصاف پسند مصنف کا ظہور ہوا جس نے لعنت و ملامت کی پرواہ کیے بغیر حق گوئی کو اپنا شعار بنایا تو فوراً ہی وزارت مستعمرات اور نو آبادیات کے زر خرید قلموں میں حرکت پیدا ہو گئی، اس

مصنف پر لعن وطعن شروع ہوگئی اور اس کی تحریروں میں غلطیوں کی تلاش وجستجو کی مہم شروع ہوگئی۔ انہیں لوگوں نے مورخ "گبن" کو بت پرست مصنف قرار دیا تھا، کیونکہ اس نے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی تھی اور مسیحیت کے ظہور کے وقت اس کی صحیح صورت حال کی عکاسی کی تھی جو ان لوگوں کو پسند نہیں آئی تھی۔

جب ٹامس کارلائل نے آکر اہل مغرب کی نگاہوں پر پڑے ہوئے پردے کو اُتار کر جمال محمدی کو ان کے سامنے آشکارا کیا تو اسے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور مخالفت کی یہ آندھی اس قدر تند تھی کہ "اڈنبرگ" یونیورسٹی کے وائس چانسلر (کارلائل) کو اس کے آگے سپر ڈالنا پڑا اور اسے اپنی تمامتر خودداری وغیرت اور ہمت واستقلال کے باوجود اپنے توصیفی لہجے کو ہلکا کرنا پڑا لیکن بایں ہمہ وہ بند آنکھوں تک حق کی روشنی اور کانوں تک حق کی آواز پہونچانے میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔

کارلائل کی کتاب "ابطال" (ON HEROES) کے بعد ایک اور برطانوی مصنف "بوسورتھ اسمتھ" (BOSWORTH - SMITH) جرمنی مصنف کریل (KREHL) اور اطالوی مصنف کایتانی (CAETANI) وغیرہ کی تحریریں اور کتابیں منصۂ شہود پر آئیں اور مجموعی طور پر ان تحریروں نے جیسا کہ خود اہل مغرب کا خیال ہے۔ اسلام کے خلاف مستشرقین اور مبشرین کے دعووں اور پروپگنڈوں کی دھجیاں اڑادیں۔

مختصر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اہل مغرب کا نقطۂ نظر بدل گیا، ان کی نگاہوں میں آپ کی شخصیت "دجال" کی نہیں رہی بلکہ ایک عظیم مصلح کی ہوگئی، آپ کسی اعصابی مرض میں گرفتار یا مرگی کے مریض نہیں رہے بلکہ ایک عظیم شخصیت کے حامل

اور صاحب عزیمت انسان ہوگئے، آپ ایک ایسے آمر نہیں رہے جو صرف اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل میں کوشاں رہتا ہے بلکہ ایسے روشن خیال حکمراں ہوگئے جو اپنی رعایا کو محبت واحسان سے اپنا اسیر بنالیتا ہے، آپ ایک بنیاد پرست نہیں رہے بلکہ ثابت شدہ مبادی اور اصول والے ہوگئے جو نہ اپنے مبادی سے دست بردار ہوتا ہے نہ اپنے اصول سے کنارہ کش ہوتا ہے اور یورپ نے ان امور کا صحیح صحیح اعتراف کیا۔

اس اعتراف نے دشمنان اسلام کی مہم کو بہت زیادہ متاثر نہیں کیا کیونکہ یہ کتابوں کے صفحات میں پوشیدہ تھے، جن تک معدودے اہل علم کے سوا دوسروں کی رسائی نہیں تھی، لیکن متعدد اکابرین قوم کے قبول اسلام نے اہل یورپ کو چونکا دیا، اور ان میں اسلام اور اس کی خوبیوں کو جاننے اور پڑھنے کی رغبت پیدا ہونے لگی، اس چیز نے دشمنوں کے خیمے میں اضطراب پیدا کردیا، سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" (SATANIC VERSES) اسی اضطراب کے نتیجے میں سامنے آئی۔ یہ کتاب ایک ایسے وقت میں ظہور میں آئی جس میں یورپ اپنی تاریخ کے شدید ترین تہذیبی اور مادی بحران میں گرفتار ہے اور اس دم گھونٹنے والے ماحول میں کسی تہذیبی متبادل کی غیر موجودگی کے سبب مغرب کے بے شمار لوگ انسانیت کے تنہا نجات دہندہ کی حیثیت سے اسلام کی طرف پُرشوق نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ دشمنان اسلام کے پاس صرف یہی حل بچا کہ اس ممکن متبادل یعنی اسلام کی صورت بگاڑ دی جائے۔

کتاب کے شایع ہوتے ہی مغربی ذرایع ابلاغ بغیر کسی نقد ونظر اور تحلیل وتوثیق کے کتاب کی تعریف وتوصیف میں لگ گیا۔ لندن کا مشہور اخبار "سنڈے ٹائمز" اسکے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"ناول کی شکل میں یہ ایک خوبصورت فنی شاہکار ہے، جسے اس زمانے میں ہونے والے کاموں میں سب سے باحوصلہ کام مانا جا رہا ہے[۹]"

عالم مغرب نے سلمان رشدی کے موضوع پر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصل معاملہ سلمان رشدی اور اس کی کتاب سے کہیں بڑا ہے، بلکہ یہ نام نہاد داستان "آزادیٔ رائے" سے بھی بڑا ہے، اسلام کبھی بھی آزادیٔ رائے کے خلاف نہیں رہا ہے، "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (قرآن کریم، ۲: ۲۵۶) لیکن رشدی نے اپنی کتاب میں کسی رائے کو پیش نہیں کیا ہے جس کے احترام کا ہم سے مطالبہ کیا جائے باہم اس رائے پر اس کے ساتھ گفتگو کا دروازہ وا کریں، اس نے تو انتہائی گھٹیا لب و لہجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر حملہ کیا ہے اور نہایت توہین آمیز طریقے سے اسلام اور قرآن کریم کا ذکر کیا ہے، ہم آزادیٔ فکر و رائے کے خلاف ہرگز نہیں ہیں بلکہ ہم تو صرف اسلامی شعائر اور مقدسات پر ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں، اگر کتاب دلائل پر مبنی ہوتی تو دلائل کے ذریعے اس کا رد آسان ہوتا۔ ثابت شدہ علمی طریقے سے کسی بات کو پیش کرنا اور بات ہے اور فحش انداز میں الزام تراشی اور گالی گلوچ دوسری بات ہے اور ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، آزادیٔ فکر کے موضوع پر ہم اہل مغرب یا کسی اور سے الگ نہیں ہیں، بلکہ آزادیٔ رائے کی حمایت کے ان کے دعوے ہی ہمارے نزدیک محل نظر ہیں، کیونکہ یہ مدعیان بذات خود بھی مطلق آزادیٔ رائے کے قائل نہیں ورنہ ان مغربی قوانین کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کے بموجب بہت سی کتابوں تاریخی وثیقوں اور علمی دستاویزوں کی نشر و اشاعت ممنوع ہے ابھی حال میں مارگریٹ تھیچر (سابق وزیر اعظم برطانیہ) نے ذاتی

طور پر دخل اندازی کر کے "SPY CATCHER" (جاسوس کے شکاری) نامی کتاب کی اشاعت رکوا دی، ان کی دلیل یہ تھی کہ اس کتاب کی اشاعت سے برطانیہ میں نقض امن کا اندیشہ ہے۔

سلمان رشدی کے خلاف عالمی صف آرائی صرف اور صرف اسلام کے خلاف مغربی دشمنی اور کینہ پروری کی مظہر ہے، آزادیٔ سب و شتم کو آزادیٔ فکر و رائے بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، لیکن آزادیٔ قول و اعتقاد اور آزادیٔ فتنہ و فساد کسی طرح بھی ایک نہیں ہو سکتے، اسلامی شعائر کی توہین اور اسلامی شخصیات کو فحش ترین اسلوب میں سب و شتم آخر کس طرح آزادیٔ رائے کا مسئلہ ہو سکتا ہے[۱۰]

ذیل میں "شیطانی آیات" سے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں کہ نقل کفر کفر نہ باشد جو اس بات کی ٹھوس دلیلیں ہیں کہ رشدی کو علمی حقائق سے دور و نزدیک کا کوئی واسطہ نہیں ہے، بلکہ یہ مثالیں اس کی نیت کی خباثت اور اس کی بدباطنی کی واضح علامت ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رشدی نے اپنی کتاب میں (معاذ اللہ) لفظ (MAHOUND) کا استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں: جھوٹا نبی، شریر روح، اور شیطان...[۱۱]

صفحہ ۹۵ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے (معاذ اللہ) ولد الزنا (BASTARD) کا لفظ استعمال کیا ہے، ایک صحابی جنھیں خالد کا نام دیا ہے ان کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ منحرف طبیعت کے (MONSTER) تھے، حضرت سلمان کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ بڑے کولھوں والے تھے (SORT OF BUM) صفحہ ۱۰۱ پر حضرت بلالؓ کو تلچھٹ لکھا ہے۔

صفحہ ۳۶۳ پر رشدی بزعم خود اسلام کے اصول ملعونہ (DAMN) کے بارے میں لکھتا ہے کہ: یہ قوانین ملعونہ کسی حد پر ختم ہی نہیں ہوتے، اس میں انسان کے اپنے عضو تناسل کو پکڑنے تک کا بیان ہے اور کس ہاتھ سے اور کس جہت سے اور کس ہاتھ سے اپنے دُبُر کے سوراخ (ANUS) کو پونچھے اور کس وضع سے اپنی بیوی سے قریب ہو، .... آگے طنز کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: خدا منصوبہ سازی کرتا ہے اور کامیاب تاجر محمد نے کثرت قوانین سے ہمارے ہاتھوں کو باندھ رکھا ہے۔

صفحہ ۳۶۴ پر لکھتا ہے کہ: محمد پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی انہیں پلٹ کر جواب دے، سلمان فارسی نے نشے کی حالت میں سرگوشی کی کہ محمد کوئی فرشتہ نہیں ہے، عورتوں نے اسے بوڑھا کر دیا ہے۔

صفحہ ۳۶۶ پر لکھتا ہے کہ: غزوۂ خندق میں بہت سے مومنین مارے گئے۔۔۔ بیواؤں سے شادی کی اجازت دی گئی خواہ عدد چار تک پہونچ جائے، اس چیز نے سلمان فارسی کو متنفر کر دیا اور انہوں نے نبی کو چھوڑ دیا اور مرتد ہو گئے اور خدائے بعل (BAAL) سے ان کے تعلقات قائم ہو گئے، جس کے ساتھ وہ بیٹھ کر شراب پیتے تھے، ایک بار بعل نے ان سے کہا کہ اے سلمان تم تو ان کے مقربین میں سے تھے، کس چیز نے تمہیں ان سے بیزار کیا؟ سلمان فارسی جواب دیتے ہیں کہ: جس قدر اس شعبدہ باز (CONJURER) سے قریب ہوتا گیا اس کی مکاریوں اور فریب کاریوں کو سمجھتا گیا۔ (معاذ اللہ)

صفحہ ۳۶۳ پر بھی صریح کذب وافتراء کے ساتھ لکھتا ہے کہ اسلام نے اغلام بازی کی اجازت دی ہے۔

بہتان تراشی اور دسیسہ کاری کے درمیان صفحہ ۳۶۴ پر ہی رشدی کا یہ جھوٹ کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ "محمد سے جبرئیل نے کہا کہ" یہ بات ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ انسان کا چاند پر چلنا ناممکن ہے۔" (SHADOW OF DOUBT IT IS IMPO-[۱۲]
-SIBLE TO WOLK ON THE MOON BEYOND ANY)

کتاب کے نام (شیطانی آیات) کا ذکر صفحہ ۱۱۴ اور اس کے بعد ہوا ہے، سلمان رشدی لکھتا ہے: "(والنجم) محمد آواز بلند کرتے ہیں اور کاتبین وحی لکھنا شروع کرتے ہیں (والنجم اذا ھوی)" یہاں قرآنی آیات میں صریح تحریف کرتے ہوئے رشدی خواب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے!!" میں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں" پھر قصہ غرانیق کا ذکر کرتا ہے[۱۳] اور ان کا ترجمہ مقدس پرندوں (EXALTED BIRDS) کے طور پر کرتا ہے۔

"قصہ غرانیق" اور "شیطانی آیات" سلمان رشدی کی اپنی ایجاد نہیں ہے، مبشرین اور مستشرقین برابر اس کا چرچا کرتے رہے ہیں، چنانچہ کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے شائع شدہ "انسائیکلوپیڈیا آف میڈیول ہسٹری (ENCYCLOPEDIA OF ME-
-DIEVAL HISTORY) میں اس کا ذکر ہے۔ مشہور مستشرق بروکلمان نے اپنی کتاب "تاریخ ملل اسلامی" میں اسے نقل کیا ہے اور" انگریزی زبان میں تاریخی مطالعے[۱۴]" نامی کتاب میں اس موضوع کے لیے مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے۔ (THE BEGINN-
-ING OF OPOSITION THE SATANIC VERSES) یعنی مخالفت کا آغاز اور شیطانی آیات" اور اسے تاریخ طبری میں مذکور ہونے کی بنیاد پر قطعی اور یقینی قرار دیا ہے۔

قرآن کریم، سنت شریفہ، عربی زبان اور خود تاریخ کے دلائل کی روشنی میں "قصۂ غرانیق" قطعی باطل اور بے بنیاد ہے۔

۱۔ قرآن کریم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ — اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے. تو
لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ — ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے اور انکی
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۔[۵] — رگ دل کاٹ دیتے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ — وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ
إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔[۶] — صرف وحی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

صاحب "ابریز"[۷] نے "قصۂ غرانیق" کو قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے، کیونکہ شیخ ابن عربی اور قاضی عیاض نے بھی اسے غیر مقبول قرار دیا ہے، مزید اس لیے کہ اس روایت کے ناقلین میں کمزوری ہے، اس کی سند منقطع ہے اور خود روایت میں داخلی طور پر شدید اضطراب ہے فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ واقع ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو جاتے مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور جس آیت کریمہ کو اس قصے کے پھیلانے والوں نے دلیل بنایا ہے وہ آیت ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ — اور ہم نے آپ سے پہلے جو رسول و نبی
وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ — بھیجے (ان سب کے ساتھ یہ پیش آیا کہ)
فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي — جب انہوں نے تمنی یا تلاوت کی تو شیطان
الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ — نے اپنی طرف سے اس تمنی یا تلاوت میں
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔[۸] — کچھ ملا دیا تو اللہ شیطان کے ملائے ہوئے

کو مٹا دیتا ہے اور اپنی نشانیاں پختہ
کر دیتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب "ابریز" لکھتے ہیں کہ: یہ آیت کریمہ اشارہ کر رہی ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے ایمان کی تمنی کرتا ہے اور اس کی خواہش رکھتا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں نفوس قدسیہ میں ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ — اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو
إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ — شاید تم ان کے پیچھے غم سے اپنی جان پر
أَسَفًا۔[۹] — کھیل جاؤگے۔

ہدایت آنے کے بعد لوگ باہم مختلف ہوگئے "فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ"[۱۰] یعنی ایمان و کفر کو اپنانے کی حیثیت سے الگ الگ ہوگئے تو جنھوں نے کفر کیا شیطان نے ان کے دلوں میں خطرناک وسوسے ڈالے اور یہی مومن کا بھی حال ہے وہ بھی شیطانی وسوسوں سے محفوظ نہ رہے، اس لیے کہ یہ عام طور پر ایمان کا لازمہ ہے مگر اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں میں ڈالے ہوئے شیطان کے وسوسوں کو دور کر دیتا ہے، اور توحید و رسالت پر دلالت کرنے والی نشانیوں کو مستحکم کر دیتا ہے اور جھٹلانے والوں اور منافقین کے دلوں میں ان وسوسوں کو باقی رکھتا ہے[۱۱]

بہت قرین قیاس ہے کہ خود کفار قریش ہی نے قصۂ غرانیق کو اختراع اور رائج کیا ہو کیونکہ ان کا پروگرام تھا کہ:

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ — قریب تھا کہ وہ تم کو ہماری وحی سے
الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ — لغزش میں ڈال دیتے تاکہ تم ہماری

عَلَيْنَا غَيْرَهٗ [۲۲] طرف کچھ اور منسوب کر دو۔

اس قصے کو وضع کرنے سے ان کا مقصد ان کے ظلم و ستم سے بھاگے ہوئے مہاجرینِ حبشہ کو واپس لانا رہا ہو، اس سلسلے کی ایک کوشش میں قریش کا ایک وفد نجاشی کے دربار سے پہلے ہی نامراد واپس آچکا تھا۔

۲۔ سنتِ شریفہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جاہلی عہد میں بھی کسی بت کی تعظیم نہیں کی اور نہ کبھی ان کے قریب ہوئے اور جسے اس کے رب تعالیٰ نے ادب سکھایا ہو کب یہ بات اس کے شایان شان ہے کہ وہ بتوں سے راضی ہو، جسے اللہ تعالیٰ نے قبلِ نبوت جاہلیت کے رسوم و آداب سے محفوظ رکھا ہو وہ عہدِ اسلام میں اس میں کیونکر ملوث ہو سکتا ہے۔

ابن خزیمہ سے اس قصے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ : زنادقہ کا اختراع کردہ ہے، امام بیہقی نے فرمایا کہ : نقل کی رو سے یہ قصہ غیر ثابت شدہ ہے اور اس کے راویوں پر طعن کی گئی ہے، رہی بخاری کی روایت [۲۳] تو وہ غرانیق کے ذکر سے خالی ہے، تفسیر ابن کثیر جو حدیث میں حجت مانی جاتی ہے اور جو تفسیر ماثور کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس میں ہے کہ حدیث غرانیق مرسل ہے [۲۴] اور حدیث کا مرسل ہونا اس کے ضعیف ہونے کا سبب ہوتا ہے، حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند سے صحابی ساقط ہو۔ [۲۵] لہذا حدیث غرانیق حدیث ضعیف ہوئی۔

امام ابن حزم نے فرمایا کہ : غرانیق والی حدیث محض جھوٹی ہے، سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس میں اپڑنا بیکار ہے اس لیے کہ جھوٹ وضع کرنے سے کوئی بھی عاجز نہیں ہے۔ [۲۶]

۳۔ عربی زبان : شیخ محمد عبدہ قصۂ غرانیق کا لغوی اور لسانی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : عربوں نے اپنے معبودوں کے لیے کبھی بھی لفظ غرانیق کا استعمال نہیں کیا، نہ خطبوں میں نہ اشعار میں، نہ کبھی یہ لفظ اس معنی میں ان کا روزمرہ رہا ہے، وہ لفظ غرنوق یا غرنیق (جمع غرانیق) کا استعمال یا ان کے حقیقی معنی میں کیا کرتے تھے یعنی ایک سیاہ سفید آبی پرندہ (بگلہ کی ایک قسم) یا پھر مجازی معنی میں اس لفظ کا استعمال گورے اور خوبصورت نوجوان کے لیے کیا کرتے تھے عہ

۴۔ تاریخ : مبشرین اور مستشرقین کے نزدیک اس قصے کی تکرار کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عمر فروخ لکھتے ہیں کہ : ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ جب مشرکینِ مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت شروع کی تو آپ نے ایسا کیا تاکہ انہیں اپنے قریب کر سکیں اور اسی لیے آپ نے ان کے معبودوں کی تعریف کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو مبشرین اور مستشرقین نے توحید کی حمایت اور بت پرستی کی مخالفت میں آپ کے شدت پسندانہ رویہ اور سخت گیر موقف میں تبدیل اور تخفیف سے تعبیر کیا ہے۔ [۲۷]

اس جھوٹ کا بہترین رد بقول عمر فروخ ایک ہندوستانی فاضل مولانا محمد علی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ : یہ قصہ واقدی اور طبری نے بیان کیا ہے لیکن اس میں سچائی

عہ علامہ شبلی نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے۔ یاقوت حموی کی معجم البلدان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ : قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے : واللات والعزیٰ و مناۃ الثالثۃ الاخریٰ فانھن غرانیق العلی و ان شفاعتھن لترتجی۔ دیکھئے : سیرۃ النبی ج ۱، ص ۱۵۴۔ (مترجم)

کی بُو تک نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اس قسم کی روش سے متناقض ہے، علاوہ ازیں واقدی اسرائیلیات اور خرافات بیان کرنے میں شہرت رکھتے ہیں[۲۸] وفیات الاعیان میں ان کے بارے میں ہے کہ علماء نے انہیں حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے[۲۹] امام شافعی نے فرمایا ہے کہ واقدی کی تمام تصنیفات جھوٹ ہیں۔

اور طبری نے اس قصے کو اپنی کتاب "تاریخ الرسل والملوک" میں ذکر کیا ہے[۳۰] لیکن طبری کی روایت پر اعتماد کرنے والے ان کے منہج اور طریقۂ تعلیم کو نظر انداز کر دیتے ہیں، ان کا طریقہ محدثین کا طریقہ ہے، وہ حوادث کو موجود تمام طریقوں کے حوالوں سے بیان کر دیتے ہیں اور سند کا ذکر کر دیتے ہیں اور اکثر اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کرتے، انہوں نے پوری کتاب میں اسی طریقے کو اپنایا ہے، محققین نے اس پر ان کی تنقید بھی کی ہے اس لیے کہ اخبار و حوادث کو بغیر نقد و نظر کے بیان کر دینا کسی صاحبِ بصیرت مورخ کے شایانِ شان نہیں ہے، ممکن ہے کہ طبری کے پاس محدثین جیسا عذر رہا ہو جو امانت علمی اور برارت ذمہ کی خاطر حدیث کو مختلف طریقوں اور اسناد کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں اور اس پر فیصلہ قاری کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، طبری نے خود مقدمہ کتاب میں اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کیا ہے:

...انما ادینا ذلك علی نحو ما ادی الینا...[۳۱] — ہم نے ان (واقعات) کو اسی طرح پہونچا دیا جس طرح یہ ہم تک پہونچے ہیں۔

محمد بن اسحق حیاتِ رسول کے کسی گوشے اور پہلو کو نہیں چھوڑتے مگر ان کے یہاں تو اس قصے کا کوئی نام و نشان نہیں، جبکہ وہ واقدی متوفی ۲۰۷ھ/۸۲۳ء سے چالیس سال قبل گزرے اور طبری سے تقریباً ڈیڑھ سو سال (بلکہ زیادہ) پہلے گزرے ہیں۔

امام بخاری واقدی کے معاصر تھے مگر انہوں نے بھی قصۂ غرانیق کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

مستشرقین و مبشرین کے یہاں واقعات و حوادث کو ثابت کرنے کا ایک عجیب و غریب طریقہ ہے، جب وہ کسی بات کو تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت نہیں کر پاتے تو کثرت سے اسے نقل و بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، ان کے نزدیک تکرار کی قوت دلیل کی قوت کے برابر ہے، ان کے نزدیک یہ طریقہ بے شمار سادہ لوح لوگوں کو قانع اور مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے، لارڈ ہیڈلے لکھتے ہیں کہ:

"میں آپ کے سامنے وہ طریقہ پیش کر رہا ہوں جس کو یہ لوگ دوسرے مذہب کی تنقید میں اختیار کرتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک کسی خام خیال کو پیش کرتا ہے، اس کے بعد دوسرا اس خیال کے امکان و جواز کو پیش کرتا ہے، پھر تیسرا آکر اس امکان و جواز کو ایک نظریہ میں بدل دیتا ہے اور چوتھا اس نظریے سے ایک ثابت شدہ حقیقت کو وضع کر دیتا ہے اور اس طرح ایک بے اصل خیال تین چار مرحلوں سے گزر کر ایک حقیقت ثابتہ بن جاتا ہے....."[۳۲]

تاریخی ناول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تاریخ کے دائرے میں انسانی زندگی اور اس کے احساسات و تاثرات کا ترجمان ہوتا ہے اور یہ دو بنیادی عنصر پر مبنی ہوتا ہے۔

۱۔ تاریخ، اس کی روح اور تاریخی حقائق کو سمجھنے کی خواہش و میلان۔

۲۔ انسانی شخصیت کو سمجھنے اور زندگی میں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کی فطری جستجو۔[۳۳]

سلمان رشدی نے تاریخی ناول کے اسلوب کو اختیار کیا تاکہ وہ اپنے خیال کے
مطابق جو چاہے بیان کرے مگر اس نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ تاریخی قصے
میں جس قدر خیال آرائی کی گنجایش ہوتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بنیادی کرداروں
اور اہم حوادث تک نہ پہونچے۔

اور کوئی بھی بات جسے مولف اپنے ناول کے کسی کردار کی زبان سے بیان کراتا ہے
اگر اس کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے تو علمائے تاریخ کے اتفاقی قول کے مطابق مولف
اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

اس بنیاد پر رشدی نے اپنے شیطانی ناول میں جو کچھ بھی پیش کیا ہے وہ اس کا
قطعی طور پر ذمہ دار ہے، ناول اور اس کے مولف کی مذمت کے ساتھ ساتھ ہم اہل
مغرب کے علمی اداروں اور تحقیقی مرکزوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ حقیقت کے ساتھ
انصاف کرتے ہوئے رشدی اور اس کے ناول کے بارے میں اپنا موقف سامنے
لائیں اور علم و عقل، دینی مقدسات اور اخلاقی قدروں کے نام پر ہم انہیں دعوت
دیتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں علمی، موضوعی اور صریح رائے کا اظہار کریں۔

حوالے اور حواشی

۱؎ آنریبل سر رولینڈ جارج الانسن ہیڈلے (HON. SIR ROWLAND GEORGE -
ALLANSON HEADLEY) ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۵ء میں لندن میں
وفات پائی، برطانوی فوج میں لفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک خدمات انجام دیں، پیشے کے اعتبار
سے انجینیر ہونے کے باوجود وہ ایک وسیع النظر مفکر، عمیق المطالعہ عالم اور ایک اعلیٰ درجے کے صحافی
تھے، ان کی سب سے مشہور کتاب (A WESTERN AWAKENING TO ISLAM)

ہے۔ ۱۹ء میں اسلام قبول کیا جس پر دنیائے مغرب میں زبردست ہنگامہ ہوا، لندن میں برطانوی
مسلم سوسائٹی قائم کی اور مختلف اسلامی ممالک کا دورہ کیا، ۱۹۲۸ء میں ہندوستان بھی آئے (مترجم)
۲؎ دیکھئے: ISLAM OUR CHOICE، ناشر: اشرف پبلی کیشن، کراچی، ساتواں ایڈیشن، ۱۹۷۷ء،
ص ۳۶ ۳؎ "المثل الاعلیٰ فی الانبیاء" خواجہ کمال الدین، عربی ترجمہ: امین محمود شریف، پیش لفظ
لارڈ ہیڈلے دار الفکر المعاصر، بیروت: (غیر مورخ، ص ۱۸) خواجہ کمال الدین کی یہ کتاب THE
IDIAL ROPHET کے نام سے انگریزی میں شایع ہوئی ہے، خواجہ صاحب متعدد انگریزی
کتابوں کے مصنف ہیں، انگلینڈ میں ووکنگ شہر (WOKING) کی مسجد میں امام تھے اور "ISLAMIC
REVIEW" نامی ایک رسالہ بھی نکالتے تھے، بھوپال کے شاہی خاندان سے قریبی تعلق رکھتے تھے کتاب
ووکنگ سے شایع ہوئی ہے، سن اشاعت مذکور نہیں ہے۔ البتہ پیش لفظ اور تعارف دسمبر ۱۹۲۵ء کا
تحریر کردہ ہے، اصل حوالے کے لیے دیکھئے: پیش لفظ، ص ۶ و ۷، (مترجم) ۴؎ یہ تعداد تقریباً
سو برس پہلے کی ہے، اب یہ بڑھ کر ایک ارب کے لگ بھگ ہوگئی ہے ۵؎ "المثل الاعلیٰ" مرجع سابق
ص ۲۱، اصل حوالے کے لیے دیکھیے، مرجع سابق، پیش لفظ، ص ۷ و ۸ ۶؎ لارا ہیلن (LAURA
HELAN) کی یہ کتاب "THE VISION AND THE MISSION OF WOMAHOOD"
کے نام سے شایع ہوئی ہے (مترجم) ۷؎ EDWARD GIBBON مشہور انگریز مورخ جسے
اپنی کتاب "رومی سلطنت کا زوال و سقوط" کے حوالے سے لازوال شہرت حاصل ہوئی، ۱۷۳۷ء میں
اس کی پیدایش اور ۱۷۹۴ء میں انتقال ہوا (مترجم) تفصیلی سوانح کے لیے دیکھئے: "ENCYCLO
PEDIA AMERICANA" ایڈیشن ۱۹۸۱ء، ۱۲: ۳۰۰ ۸؎ THOMAS CARLYLE
ابتدائی وکٹورین عصر کا سب سے بڑا فلسفی اور مفکر مانا جاتا ہے، اسکاٹ لینڈ میں ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا
۱۸۴۱ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب "ON HEROES" لکھی جس نے اسے دنیا بھر میں معروف کر دیا۔

کتاب میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی عظیم ترین شخصیات کا ذکر ہے، انبیائے کرام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا ہے، کتاب کے اس حصے میں کارلائل اعتراف و انصاف کے اس معیار پر پورا اترتا ہے جس کی توقع ایک غیر مسلم مورخ سے کی جا سکتی ہے (مترجم)، مصنف اور کتاب کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے ENCY. AM. مرجع سابق، ۵: ۶۲۰-۶۲۳ [۷] EDINBURG اسکاٹلینڈ کی راجدھانی ہے، اپنی یونیورسٹی، لائبریری اور کیتھیڈرل کے لیے عالمی شہرت رکھتا ہے [۸] المثل الاعلیٰ، مرجع سابق، ص ۲۵، عربی ترجمہ اور انگریزی اصل میں بعض جگہ معمولی اختلاف ہے، دیکھیے، تعارف، ص ۹ و ۱۰۔ یہ حوالہ مصنف نے خدابخش مرحوم کے "جرنل آف دی مسلم انسٹی ٹیوٹ"، کلکتہ سے نقل کیا ہے، مگر واضح رہے کہ چند افراد کی طرف سے اعتراف حقیقت کو اہلِ مغرب کے نقطۂ نظر کی تبدیلی نہیں قرار دیا جا سکتا، آج کا مغرب اسلام دشمنی میں کل کے مغرب سے مختلف نہیں ہے اور بعض لہجوں میں جو تبدیلی نظر آ رہی ہے وہ بدلتے ہوئے زمانے اور بدلتی ہوئی قدروں کی ضرورت کے سبب ہے، مغربی ذہن و فکر کی حقیقی عکاس شیطانی آیات جیسی واہیات اور لغو کتاب کی مغربی دنیا میں مقبولیت ہے (مترجم) [۹] اخبار "کیہان" عدد: ۱۶۰۱، مورخہ ۱۹۸۹/۳/۴ [۱۰] اخبار "الوحدۃ الاسلامیہ" عدد: ۱۱۹، مورخہ ۱۹۸۹/۳/۳ [۱۱] دیکھیے: WEBSTER'S DICTIONARY، انسائیکلوپیڈیا ایڈیشن، شکاگو: ۱۹۷۹ء، ۱: ۱۰۸۵ (مترجم) [۱۲] شیطانی آیات اس قسم کے بے سرو پا بیانات سے بھری پڑی ہے، کتاب پر لکھنے والوں نے اکثر اس کی دشنام طرازیوں کو ہی موضوع بنایا ہے اور اس طرح کے بیانات کو نظر انداز کر دیا ہے جبکہ میرے خیال میں یہ پہلو زیادہ قابلِ توجہ ہے، یہی بیانات کتاب کے اصل مقصد کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ کتاب اسلام کے خلاف قدیم۔ جدید سازش کی ایک کڑی ہے، مسلمانوں کی دل آزاری اس کا ثانوی مقصد ہے، اس کا اولین مقصد اہلِ مغرب

اور عام مسلمانوں میں اسلام کی طرف سے غلط فہمی پیدا کرنا ہے، اسی مثال کو لے لیجیے کہ جو مذہب چاند پر انسان کے پہونچنے کو ناممکن بتائے وہ اہلِ مغرب اور مغربی ذہنوں کے لیے کیسے قابلِ قبول ہو سکتا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار شیطانی آیات میں تو ہو سکتا ہے رحمانی آیات میں اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی، یہی تصور دینے کے لیے کتاب لکھی گئی ہے، ناول کی شکل میں اور سب وشتم آمیز بنا کر اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ بیچ بیچ میں کی جانے والی جعل سازیوں کا کوئی معقول اور علمی جواب نہ دیا جا سکے اور اگر مسلمان اس پر کہ جیسا کہ انہیں توقع تھی کسی پُرجوش ردعمل کا اظہار کرتے ہیں تو اس سے ایک طرف تو کتاب کے پڑھنے والوں میں اضافہ ہوگا اور دوسری طرف مسلمانوں کے غم و غصہ کو یوروپ میں اسلام اور مسلمانوں ہی کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ نوآبادیاتی عہد میں مغرب کی مشہور پالیسی تھی "لڑاؤ اور حکومت کرو" (DIVIDE AND RULE) لیکن آج مغرب جس متبادل پالیسی پر اپنے وسیع ذرائع ابلاغ کے سہارے گامزن ہے اسے بعض حضرات "جعل سازی کرو اور حکومت کرو" (FABRICATE AND RULE) کا نام دیتے ہیں، رشدی کی شیطانی آیات اسی پالیسی کا ایک سطحی نمونہ ہے (مترجم) [۱۳] یہ قصہ مختصراً جیسا کہ تاریخ طبری میں وارد ہوا ہے یوں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواہش ہوئی کہ قرآن میں کچھ ایسا نازل ہو جاتا کہ قریش کی نفرت و عداوت دور ہو جاتی، جب سورۂ نجم نازل ہوئی تو آپ قریش کے درمیان تھے، آپ نے اسے پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہونچے "اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی، وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" النجم: ۱۹، ۲۰ (کیا تم نے لات و عزیٰ میں غور کیا اور تیسری ایک اور مناۃ میں) تو شیطان کے فعل سے یہ الفاظ جاری ہو گئے، ایک دوسری روایت میں شیطان نے درمیانی وقفے میں یہ الفاظ مشرکین کے کانوں میں ڈال دیے "تلک الغرنیق العلی وان شفاعتھن لترتجی" یعنی یہ بلند پایہ دیویاں اور ان کی شفاعت بیشک متوقع ہے)

اس کے بعد آپ نے پوری سورۂ نجم پڑھی اور آخر کی آیت سجدہ پر سجدہ فرمایا تو آپ کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا، دیکھیے : تاریخ طبری، اردو ترجمہ : سید محمد ابراہیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۰ء، ۱: ۱۰۲- یہ ایک لغو اور واہیات قصہ ہے، علمائے کرام نے روایت و درایت کے اعتبار سے اس کا شافی و کافی رد فرمایا ہے، اولاً اس قصے کی کوئی بھی دو روایتیں اپنے الفاظ اور پس منظر میں یکساں نہیں ہیں، امام سیوطی نے ۱۹ روایتیں ذکر کی ہیں اور سب باہم مختلف ہیں، دیکھیے، الدر المنثور، دار الفکر، بیروت: ۱۹۸۳ء، ۶: ۶۵-۶۹- ثانیاً سورۂ نجم میں جہاں ان شیطانی آیات کو بیان کیا گیا ہے اس سے پہلے ہی نہیں بلکہ بعد کی بھی کئی آیتوں میں بھی مسلسل بتوں کی برائی بیان کی گئی ہے، کیا مشرکینِ مکہ احمق تھے یا اتنی عربی نہیں جانتے تھے کہ اپنے معبودوں کی اول و آخر برائی سُنکر بھی خوش و مطمئن ہو گئے (مترجم) واقعہ اور اسکے رد کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ۱- سیرۃ النبی، شبلی نعمانی، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور: ۱۹۹۱ء، ۱: ۱۵۳-۱۵۴ ۲- تفسیر القرآن الکریم، ابن کثیر، دار الفکر، عمان، غیر مورخ، ۳: ۳۰۵-۳۰۷، ۳- تفہیم القرآن، ابو الاعلیٰ مودودی، مرکزی مکتبۂ اسلامی، دہلی: ۱۹۹۳ء، ۳: ۲۳۸-۲۴۵ کتاب کا عربی ترجمہ شعبۂ تاریخ دمشق یونیورسٹی نے شایع کیا ہے، ص ۱-۲۲ ۱۴ سورۃ الحاقہ ۴۴-۴۶ ۱۵ سورۃ النجم: ۳، ۴ ۱۶ احمد بن مبارک گیارہویں صدی ہجری کے مشہور محدث، مفسر، مالکی فقیہ اور معروف صوفی تھے، ان کی یہ کتاب "ابریز" دو جلدوں میں شایع ہوئی ہے جس میں انھوں نے عارف باللہ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو جمع کیا ہے، ۱۱۵۶ھ میں انتقال ہوا- (مترجم) دیکھیے : الاعلام، خیر الدین زرکلی، دار العلم للملایین، نواں ایڈیشن بیروت : ۱۹۹۰ء، ۱: ۲۰۱، ۲۰۲ ۱۸ سورۃ الحج : ۵۲ ۱۹ سورۃ الکہف : ۶ ۲۰ سورۃ البقرہ: ۲۵۳ ۲۱ دیکھیے: ابریز، احمد بن مبارک، مصطفیٰ بابی حلبی، مصر، ۱۹۶۱ء، ص ۲۴۰-۲۴۴-

۲۲ سورۃ الاسراء: ۷۳ ۲۳ صحیح امام بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر، سورۂ نجم، حامد اینڈ کمپنی لاہور: ۱۹۸۲ء، ۲: ۹۲۶- علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "اکثر کبار محدثین مثلاً : بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نووی نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے"۔ دیکھیے: سیرۃ النبی، مرجع سابق، ۱: ۱۵۳ (مترجم)، ۲۴ تفسیر ابن کثیر، مرجع سابق، ۳: ۳۰۵ ۲۵ مرسل: وہ حدیث ہے جس میں کسی صحابی کا نام ساقط ہو گیا ہو ... حدیث مرسل کے ضعیف ہونے کا سبب عدم اتصال ہے، دیکھیے : علوم حدیث، ڈاکٹر صبحی صالح، اردو ترجمہ : محمد رفیق چودھری، زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور ۱۹۸۹ء، ۱۹۷ ۲۶ الاسلام بین الانصاف والجحود (معلومات نشر غیر موجود) ص ۶۹-۷۰، ۲۷ تاریخ الشعوب الاسلامیۃ (تاریخ ملل اسلامی) کارل بروکلمان، عربی ترجمہ: ڈاکٹر عمر فروخ، دار العلم للملایین، بیروت ۱۹۶۵ء، حاشیہ ص ۲۵ ۲۸ ترجمہ معانی قرآن کریم (انگریزی)، دوسرا ایڈیشن، لاہور ۱۹۲۰ء، ص ۱۰۱۶، حاشیہ رقم/ ۲۳۸۲ ۲۹ وفیات الاعیان (معلومات نشر غیر موجود) ۴: ۳۸۴ ۳۰ دیکھیے حاشیہ رقم/ ۱۳ (مترجم) ۳۱ تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف مصر: ۱۹۶۱ء، ص ۷۰، ۸۰ ۳۲ المثل الاعلیٰ، مرجع سابق، ص ۲۸ ۳۳ فی الادب الحدیث، عمر دسوقی دار الفکر العربی، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۵۹ء-

سلسلۂ اسلام اور مستشرقین

دار المصنفین کے زیر اہتمام ۱۹۸۲ء میں جو بین الاقوامی سیمینار ہوا تھا، اس میں پڑھے گئے مقالات اور معارف میں اس موضوع سے متعلق چھپنے والے مضامین کو دار المصنفین نے پانچ حصوں میں شایع کیا ہے، چوتھا حصہ علامہ شبلی اور پانچواں حصہ مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریروں پر مشتمل ہے پہلے حصہ میں سید صباح الدین صاحب کے قلم سے سیمینار کی مفصل اور دلچسپ روداد ہے کی پانچ حصوں کے علاوہ ایک اور حصہ عربی مضامین کے لیے مخصوص ہے جو سیمینار میں پڑھے گئے تھے۔

عربی حصہ کی قیمت : ۳۰ روپے - اردو سٹ کی قیمت ۱۷۰ روپے -

حافظ شیرازی کی شاعرانہ عظمت

از جناب محمد امین عامر صاحب۔ ہوڑہ

شیخ سعدی شیرازی کے ایک صدی بعد انھی کی سرزمین سے خواجہ شمس الدین محمد حافظ غزل سرا ہوئے اور شاعری کے آسمان پر مہر جہاں تاب بن کر چمکے، ان کو اچھا شاعرانہ ماحول ملا، خود ان کا خاندان علم و فن میں یگانہ تھا، والد مولانا محمد کمال الدین یا بہاء الدین کے علم و فضل کا طوطی بولتا تھا، ان کے ایک عم بزرگوار سعدی صوفی منش شاعر اور صاحب علم و کمال شخص تھے، اسی لیے حافظ بچپن ہی میں شعر کہنے لگے تھے مگر اس زمانے کے اشعار ایسے نہیں تھے کہ ارباب کمال کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے تاہم وہ اس کی وجہ سے بددل نہیں ہوئے بلکہ سعی و جہد میں لگے رہے اور مسلسل مشق سخن جاری رکھی، آخر ایک رات یکایک ایسی غیبی قوت عطا ہوئی جس کی بدولت یہ الہامی اور عرفانی غزل کہی جس نے ان کی عظمت کا سکہ شعراء کے دلوں پر بیٹھا دیا، وہ خود اپنی اس خداداد شاعری کا راز یوں فاش کرتے ہیں:

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

بیخود از شعشۂ پرتو ذاتم کردند — بادہ از جام تجلی صفاتم دادند

چہ مبارک سحری بود و چہ فرخندہ شبی — آن شب قدر کہ این تازہ براتم دادند

این شہد و شکر کز سخنم می ریزد — اجر صبریست کزاں شاخ نباتم دادند

ہمت حافظ و انفاس سحر خیزاں بود — کہ ز بند غم ایام نجاتم دادند

اس غزل میں حافظ اس بابرکت صبح اور مبارک رات کا تذکرہ اپنی پوری ایمانی کیفیات کے ساتھ کرتے ہیں جس میں انہیں غم روزگار سے نجات ملی اور "آب حیات" انہوں نے نوش فرمایا۔ پھر صفات تجلی کے جام اور ذات باری کے پرتو نور سے انہیں جو بے خودی اور سرمستی حاصل ہوئی اس کا اظہار بھی بڑے عاشقانہ اور مستانہ انداز میں کرتے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ میرے کلام میں جو شیرینی اور حلاوت کی چاشنی ہے وہ اس صبر کے عوض ہے جو میرے قلم کو قادر مطلق نے عطا کر کے مجھے فکر دنیا سے آزاد کر دیا۔

اب حافظ تند و تیز آندھی بن کے اٹھے، موج حوادث سے پنجہ آزمائی کی، علماء، فضلاء، ادباء اور شعراء کے علاوہ عوام کے دلوں کو اپنے عارفانہ اور روحانی کلام سے مسخر کرنا شروع کیا۔ کل تک جن مجلسوں میں وہ بے اعتنائی کے شکار تھے، اب بسرو چشم وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، ان کی غزلیں سنکر عوام تو کجا مردان باکمال اور شاعران دلفگار کے بھی ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ان کی راہ میں انہوں نے اپنی آنکھیں بچھائیں، محفلوں اور مجلسوں کی رونقیں اور بڑھ گئیں، انہیں قدر و منزلت کی مسند پر بٹھایا گیا اور ان کے جام عرفانی سے دنیا دیوانگی کا درس لینے لگی۔ ان کے کلام کی شہرت و مقبولیت ایران کی حدوں کو عبور کر کے دنیا کے دیگر ممالک تک پہنچ گئی اور اطراف عالم میں اپنی نغمہ سنجی کا جادو جگاتے ہوئے تشنگان شعر و ادب کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچانے لگی۔ حافظ بجا طور پر فرماتے ہیں۔ ع

فگند زمزمۂ عشق در حجاز و عراق — نوائے بانگ غزلہائے حافظ شیراز

یعنی حافظ شیرازی کی غزلوں کی آواز نے حجاز اور عراق میں عشق کی گونج پیدا کر دی۔ حافظ کی شاعرانہ لیاقت و صلاحیت کا ایک ادنیٰ سا واقعہ ملاحظہ ہو۔ ایک مرتبہ ان کے چچا سعدی غزل سرائی میں مصروف تھے۔ ابھی ایک ہی مصرعہ کہا تھا کہ کسی ضرورت سے انہیں باہر جانا پڑا۔ کاغذ میز پر رکھ کر چلے گئے۔ اسی اثنا میں خواجہ حافظ کہیں سے آدھمکے۔ میز پر رکھے ہوئے کاغذ پر ایک مصرعہ لکھا ہوا دیکھ کر اس پر دوسرا مصرعہ لگا کر شعر پورا کر دیا۔ ان کے چچا نے جب آکر دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے، خواجہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ انہیں کا کارنامہ ہے۔ چچا بہت خوش ہوئے اور خواجہ کو غزل پوری کرنے کی ہمت دلائی۔ خواجہ نے چند لمحوں میں غزل پوری کر دی اب چچا سعدی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی وہ وجد میں آگئے پھر خواجہ سے کہا جا! تو ایسا شاعر ہوگا کہ جو تیرے اشعار سنے گا وہ مجذوب و مخبوط الحواس ہو جائے گا۔

خواجہ حافظ کے دیوان کے ایک انگریز مترجم کپتان کلارک دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں "قسطنطنیہ کے ترک اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ سعدی کی دعا کا اثر خواجہ کے کلام میں ہے کہ جو اس کو پڑھتا ہے بیخود اور مجذوب ہو جاتا ہے"۔

حقیقتاً خواجہ کے کلام میں سرمستی اور بیخودی کا اثر پنہاں ہے، وہ خود ببانگِ دہل فرماتے ہیں۔ ع

زشعرِ حافظ شیرازی گویند و می رقصند سیہ چشمانِ کشمیری و ترکانِ سمرقندی

یعنی کشمیری سیاہ چشم اور سمرقندی معشوق حافظ شیراز کے اشعار پڑھتے اور رقص کرتے ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی کے بعد خواجہ حافظ نے فارسی غزلوں کی آبیاری کر کے

اسے ایک ایسا بے مثال پیرایۂ سخن عطا کیا کہ ان کے بعد آج تک اس میدان میں کوئی ان کا ہمرکاب نہ ہو سکا۔ وہ اس میدان کے تنہا شہسوار مانے جاتے ہیں اور اسی لیے انہیں "شاہِ غزل" تسلیم کیا جاتا ہے۔ حافظ کی غزل سرائی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی تحریر فرماتے ہیں کہ :

"جن اصولوں پر شیخ نے غزل کی بنیاد رکھی تھی اس کے بعد اکثر متغزلین نے وہی اصول اختیار کیے کیونکہ ان کے بغیر غزل کا سرسبز ہونا نہایت دشوار تھا اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران، ترکستان اور ہندوستان میں ایک آگ سی لگ گئی۔ ہر موزوں طبع نے غزل گوئی اختیار کی اور غزل گویوں کی تعداد حساب اور شمار سے بڑھ گئی۔ ازاں جملہ بعض اکابر کی غزل نے شیخ سے بھی زیادہ شہرت اور رواج پایا۔ علی الخصوص خواجہ حافظ شیراز کی غزل نے اپنا وہ سکہ جمایا کہ مذکورہ بالا ملکوں میں جو لوگ شعر کا مذاق رکھتے تھے یا فقر و درویشی کی چاشنی سے باخبر تھے یا راگ راگنی سے آشنا تھے یا شراب و کباب کا چسکا رکھتے تھے یا عاشق مزاج اور عیش دوست تھے سب جان و دل سے اس پر قربان ہو گئے۔ رقص و سرود کی محفلوں میں، حال و قال کی مجلسوں میں، قہوہ خانوں اور شراب خانوں میں، شعراء کی صحبتوں میں، مشائخ کے حلقوں میں، در و دیوار سے "لسان الغیب" ہی کی آواز آنے لگی"۔ (حیات سعدی، ص ۱۰۰)

مولانا حالی مزید رقمطراز ہیں :

"خواجہ حافظ کی غزل مجالس اور محافل میں سب سے زیادہ گائی جاتی ہے اور اس کے مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند

باتوں کی ترغیب دیتی ہے، عشقِ حقیقی کے ساتھ عشق مجازی اور صورت پرستی کا کام جوئی کو بھی وہ دین و دنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل بتاتی ہے ....

اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین کو یہ اعتقاد بھی ہو کہ اس کے کلام کے قائل اکابر صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں جن کی تمام عمر حقائق اور معارف کے بیان کرنے میں گذری ہے اور جن کا شعر شریعت کا لب لباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہے تو یہ مضامین بھی دل نشین زیادہ ہو جاتے ہیں۔"

(حیاتِ سعدی، ص ۱۹۲)

خواجہ حافظ کی غزل سرائی سے متعلق مولانا حالی کی اس رائے سے حافظ کی شاعرانہ عظمت و مقبولیت اور شہرت کی غیر فانی تصویر بن کر ابھرتی ہے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے انسانوں میں حافظ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کا کلام سب سے زیادہ شہرت پذیری اور تعریف کے قابل ہے۔ ان کی غزلوں کی ہر جگہ دھوم ہے اور سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قرآنِ پاک سے حد درجہ شغف اور اس کا گہرا علم رکھنے کے سبب ان کا کلام حقائق و معارف کا ترجمان ہے۔ اس طرح اکابرِ صوفیہ اور مشائخ کرام کے دلوں میں بھی انہوں نے اپنا گھر بنالیا اور وہ "لسان الغیب" اور "ترجمان الاسرار" جیسے القاب سے نوازے گئے۔ حافظ درج ذیل اشعار میں اپنی شناخت اس طرح کراتے ہیں:

بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم   کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند   آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

یعنی میں ایک دل گشدہ انسان ہوں، میں خود اس راہ کا مسافر نہیں ہوں،

میں ایک طوطی کی طرح پس پردہ اس لازوال اور مافوق الفطرت استادِ ازل کے اشارے پر وہی بات کہتا ہوں جو اس نے مجھے سکھائی ہے۔

حافظ دولتِ قرآن سے مالا مال ہونے، قرآنِ حکیم کے رموز و اسرار معانی سے باخبر اور اپنے سینے میں اس کے رکھے ہونے کا تذکرہ درج ذیل اشعار میں کرتے ہیں:-

(الف) صبح خیزی و سلامت طلبی چوں حافظ
آنچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآں کردم

(ب) ز حافظانِ جہاں کس چو بندہ جمع نکرد
لطائفِ حکما را با کتاب قرآنی

(ج) ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظ
بہ قرآنی کہ اندر سینہ داری

حافظ اپنی تعریف میں خود ہی رطب اللسان نہیں ہیں بلکہ ان کے ثناخواں دوسرے بھی ہیں۔ مولانا حالی کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ اب ہم نویں صدی ہجری کے مشہور و معروف فارسی شاعر اور ایک بزرگ صوفی مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی کا قول نقل کرتے ہیں، جنھوں نے حافظ شیرازی کے متعلق اپنے احساسات اور اعتقادات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے کہ:

"شمس الدین محمد الحافظ الشیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ روحہ وی۔ لسان الغیب و ترجمان الاسرار است۔ بسا اسرارِ غیبیہ و معانی حقیقیہ کہ در کسوتِ صورت و لباسِ مجاز باز نمودہ ہر چند معلوم نیست کہ وی دست ارادت پیری گرفتہ

ودر تصوف یکی از ین طائفہ نسبت درست کردہ۔ اما سخنان وی چنان بر مشرب
ایں طائفہ واقع شدہ است کہ ہیچکس را آن اتفاق نیفتادہ یکی از عزیزان
سلسلۂ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم فرمودہ است کہ ہیچ دیوان بہ از
دیوان حافظ نیست اگر مرد صوفی باشد و چون اشعار وی از ان مشہور تر است
کہ بایراد احتیاج داشتہ باشد لاجرم عنان از ان مصروف می گردد وفات وی
در سنہ ۹۲، اثنین وتسعین وسبعمائۃ بودہ است رحمۃ اللہ تعالیٰ "

(نفحات الانس، ص ۶۱۵)

مولانا جامی اپنی دوسری تصنیف میں فرماتے ہیں کہ

" حافظ شیرازی رحمۃ اللہ اکثر اشعار وی لطیف و مطبوع است، وبعضی قریب
بسرحد اعجاز غزلیات وی نسبت بغزلیات دیگران در سلاست و روانی حکم
قصاید ظہیر دارد۔ نسبت بقصاید دیگران و سلیقۂ شعر وی نزدیک ست بسلیقۂ
شعر نزاری قہستانی اما در شعر نزاری غث وسمین بسیار است بخلاف شعر وی
وچون در اشعار وی اثر تکلف ظاہر نبود وی را لسان الغیب لقب کردہ اند"

(بہارستان، ص ۱۱۷)

مولانا جامی نے مذکورہ بالا اقتباسات میں حافظ کو "لسان الغیب" "ترجمان الاسرار"
اسرار غیبی اور معانی حقیقی کا رازداں بتایا ہے، ان کے دیوان کو سب سے بہتر اور
ان کا مرد صوفی ہونا تسلیم کیا ہے۔ ان کے اشعار کی طبعی لطافت اور غزلیات کا اعجاز
اور حد کمال، نیز سلاست و روانی کا مقابلہ دیگر شعرائے فارسی سے کرتے ہوئے
انہیں اعلیٰ درجہ کا شاعر او نکتہ داں تسلیم کیا ہے جو انکی شاعرانہ عظمت کا مسلم ثبوت ہے۔

حافظ کی شہرت کو بال و پر نکلے تو ہر شخص ان کا گرویدہ ہوگیا، ایک طرف دوستوں،
عزیزوں اور احباب کا بلاوا تو دوسری طرف ان کے ہمعصر امراء، سلاطین اور شاہان
کی طلب۔ ان کے کلام کی ایسی دھوم مچی کہ غیر ملکوں کے سلاطین اور حکمرانوں نے بھی
خطوط لکھ کر حافظ کو اپنے دربار میں شرف حضوری کی دعوت دی اور ان کے
کلام سے محظوظ اور لطف اندوز ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہی لیکن خواجہ
اپنی سیر چشمی اور گوشہ نشینی کی وجہ سے کہیں جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ بغداد کے حکمراں
سلطان احمد جلائر ایلخانی متوفی سنہ ۱۴۱۰ء کی بڑی خواہش تھی کہ خواجہ بغداد تشریف
لائیں بہت سے تحائف اور خطوط بھیجے لیکن خواجہ نہیں گئے، ایک غزل بطور شکریہ
لکھ کر بھیجدی جس میں سلطان سے اپنی غیر معمولی محبت اور قربت کا تذکرہ ہے۔ اس
غزل کا ایک شعر یہ ہے۔ ع

گرچہ دوریم بیاد تو قدح می نوشیم بعد منزل نبود در سفر روحانی

اگرچہ ہم دور ہیں لیکن آپ کی یاد میں شراب پیتے ہیں۔ روحانی سفر میں فاصلہ
کوئی چیز نہیں ہے۔

سلطان قطب الدین کے وزیر عماد الدین محمود نے اصفہان سے خواجہ کو
طلب کیا، لیکن خواجہ کسی سبب سے وہاں نہیں گئے۔ ایک غزل جو "بہاریہ" کے نام
سے مشہور ہے لکھ کر وزیر موصوف کے پاس بھیج دی۔ وزیر نے خواجہ کی بڑی
قدردانی کی اور انہیں صلہ بھیجا۔

جنوبی ہند میں جس وقت سلطان محمود شاہ بہمنی حکمراں تھا اس کے وزیر میر
فضل اللہ انجو نے علم دوست بادشاہ کی خواہش پر خواجہ کو ہندوستان آنے کی

دعوت دی۔ وزیر موصوف نے خواجہ کی بڑی شہرت اور شاعرانہ کمالات کا چرچا سن رکھا تھا اس لیے حافظ کا دیدار کرنے اور ان کے اشعار سے لطف اندوز ہونے کی تڑپ اس کے دل میں موجیں مار رہی تھی۔ اپنے ایک خصوصی قاصد کو ایک خط اور اس کے ہمراہ اشرفیاں بطور زادِ راہ حافظ کے پاس روانہ کیا، خواجہ ہندوستان کے ارادے سے چلے۔ بندرگاہ "ہرمز" پر دکن کے جہاز پر سوار ہوئے ہی تھے کہ سخت طوفانی ہوا چلی۔ خواجہ گھبرا کر فوراً جہاز سے اتر پڑے۔ ہندوستان آنے کا ارادہ ترک کر دیا اور ایک غزل لکھ کر ہندوستانی سوداگروں کے بدست میر فضل اللہ انجو کو ارسال کر دی۔ اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں: ع

دمی با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد   بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است   کلاہ دلکش است اما بہ درد سر نمی ارزد

بس آساں می نمود اول غم دریا بہ بوی در   غلط کردم کہ یک موجش بہ صد من زر نمی ارزد

چو حافظ در قناعت کوش واز دنیای دوں بگذر   کہ یک جو منت دوناں بصد من زر نمی ارزد

حافظ نے احساسات و جذبات سے لبریز اس غزل میں کتنے لطیف پیرایۂ بیان میں اپنے چند روزہ قلبی سکون کو حصولِ دنیا اور شاہانہ کر و فر میں پوشیدہ بے شمار دنیاوی جھمیلوں اور پریشانیوں پر ترجیح دی ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے عوض چند لمحات کے غم بھی بہتر نہیں۔ جس شراب کو پی کر ہمیں تھوڑی سی دیر بھی سکون میسر ہو اسے حاصل کرنے کے لیے اگر اپنی گدڑی بھی داؤں پر لگا دینا پڑے تو کوئی پرواہ نہیں۔ یہ تاج شاہی دیکھنے میں کس قدر حسین اور دلکش ہے مگر اس میں ہزاروں دنیاوی مصائب اور پریشانیاں چھپی ہوئی ہیں۔ فائدے کے

لحاظ سے دریا کی تکلیف برداشت کر لینا بہت آسان ہے مگر اس کی کوئی موج بھی گوہر کے قابل نہیں۔ حافظ کی طرح قناعت کی زندگی بسر کرو کیونکہ یہ کمینوں کی دنیا ہے جن کا ایک جو احسان بھی سو من سونے کے برابر نہیں۔

حافظ کے یہ شاعرانہ اور عارفانہ تخیلات واقعی قابل داد ہیں۔ انہوں نے انسان کو چند روزہ دنیاوی فوائد کے نقصانات بتا کر اسے قناعت پسندی کی تعلیم دی ہے۔

میر فضل اللہ کے پاس جب حافظ کی یہ غزل پہونچی تو اس نے یہ غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت میں پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ سلطان کو بڑا افسوس ہوا اور کہا کہ خواجہ ہمارے ارادے سے چلے لیکن ہماری بدقسمتی نے ان کو ہم تک نہ پہونچنے دیا اس لیے مناسب یہ ہے کہ ہم اپنے انعام سے ان کو محروم نہ کریں۔ چنانچہ اس نے مشہور درباری ملا محمد قاسم مشہدی کے ہاتھوں ایک ہزار تنکہ طلاؤ ہندوستان کے عمدہ مصنوعات خرید کر خواجہ کی خدمت میں بھجوائیں۔

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر (متوفی ۷۷۵ھ) فرمانروائے بنگال نے بھی جو قدر دان علم میں سے تھا خواجہ حافظ کے کلام سے مستفیض ہونا چاہا۔ اس نے اپنے خاص خادم یاقوت کے ہاتھ کچھ زر نقد اور تحفے خواجہ کے پاس بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ وہ بنگال تشریف لائیں۔ خواجہ سفر سے پہلے ہی توبہ کر چکے تھے معذرت کی اور ایک غزل لکھ کر والیِ بنگال کو بھیج دی۔ اس غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود   وین بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند   زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دیں   غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

حافظ کی اس غزل کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دن سلطان سرور و خوشی کے عالم میں تھا۔ اس کی تین خادمائیں سرو، گل، اور لالہ بھی محفل نشاط کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ بادشاہ نے حالت نشہ میں ایک مصرعہ موزوں کیا جو برجستہ اس کی زبان پر آگیا تھا۔ وہ مصرعہ یہ تھا۔ ع ساقی حدیث سرو گل و لالہ می رود

سلطان نے یہ مصرعہ کہہ کر ہر چند کوشش کی کہ اس کا دوسرا مصرعہ بھی موزوں کرے مگر نہ ہو سکا۔ شعرائے درباری نے بھی اس کی فرمائش پر طبع آزمائی کی مگر سب ناکام رہے، خواجہ حافظ کی شہرت سلطان نے بھی سن رکھی تھی، اس نے فوراً ایک ایلچی کو اس مصرعہ کے ساتھ خواجہ حافظ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حافظ نے فوراً ایک پوری غزل اسی مصرعہ طرح میں لکھ کر ایلچی کو دیدی جسے ایلچی نے لے جاکر سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس شعر کا ظاہری مطلب تو یہی ہوا کہ موسم بہار کا آغاز ہے۔ سرو، لالہ اور گل کی گفتگو دور شراب کے ساتھ ہو رہی ہے مگر باطنی پس منظر میں اس کا تعلق ان واقعات سے ہے جو محل سرائے شاہی میں واقع ہوئے تھے۔ غرض مطلع ہی میں حافظ نے اپنی پرواز فکر کا ایسا اظہار کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حافظ نے مذکورۂ بالا شعر خاص بادشاہ کی محفل نشاط میں بیٹھ کر کہا ہے اور درباری کیفیات کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

حافظ نے تقریباً ۶۵ سال کی زندگی پائی تھی اور اس عرصہ میں شاہ ابواسحٰق سے لے کر شہنشاہ تیمور تک (۷۴۰ تا ۷۹۱ھ) ۴۲ سال کی مدت میں جتنے حکمراں گذرے سبھوں کی شان میں حافظ کے قصائد اور مدحیہ نظمیں ہیں۔ ان شہنشاہوں

کی طرف سے حافظ کو عزت اور محبت کا تحفہ پیش کیا گیا۔ ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور انہیں خلعت و انعام سے نوازا گیا۔ ۷۸۹ھ میں جب شہنشاہ تیمور فتح و کامرانی کا علم لہراتے ہوئے شیراز میں داخل ہوا تو اس نے خواجہ حافظ کو وہاں یاد کیا جن کی شہرت و عظمت کی بابت وہ عرصہ سے سن رہا تھا۔ خواجہ جب تیمور کے پاس تشریف لے گئے تو وہ نہایت ادب و احترام سے ان کے ساتھ پیش آیا اور کہا کہ میں نے سمرقند اور بخارا کو آباد کرنے کی کوشش میں نہ جانے کتنے ممالک کو ویران کر ڈالا اور آپ ایک 'خال ہندی' پر ان شہروں کو جو میرا وطن ہیں نثار کیے ڈالتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں۔ ع

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را   بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

(اگر وہ شیرازی معشوق ہمارا دل تھام لے تو اس کے دل فریب تل کے عوض میں سمرقند اور بخارا بخش دوں)

خواجہ نہایت بذلہ سنج اور حاضر جواب تھے، متانت کے ساتھ فرمایا کہ انہیں فضول خرچیوں کا نتیجہ ہے کہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہا ہوں، تیمور اس معنی خیز لطیفہ سے نہایت خوش ہوا اور خواجہ کو خلعت اور انعام سے سرفراز کیا۔

امراء اور سلاطین کے علاوہ حافظ کے احباب اور دوستوں نے بھی ان کی بڑی قدر کی اور ان کے کلام کو بے حد پسند کیا۔ ایک دفعہ حافظ کے ایک دوست اور مربی حاجی قوام الدین نے حافظ کو کھانے پر مدعو کیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ پائیں باغ میں تخت بچھا ہوا تھا اس پر کھانا کھا رہے تھے۔ پانی کے کٹورے میں نیلے آسمان اور تیسری یا چوتھی رات کے چاند کا عکس جھلک رہا تھا۔ یہ دلفریب منظر دیکھ کر حافظ سے نہ رہا گیا

اور فوراً یہ شعر موزوں کیا: ع

دریای اخضر فلک و کشتی ہلال　　ہستند غرق نعمتِ حاجی قوامِ ما

(آسمان کا سبز دریا اور چاند کی کشتی ہمارے حاجی قوام الدین کی نعمتوں میں غرق ہیں)، اس برمحل اور مناسب موقع شعر کو سن کر لوگ پھڑک اٹھے اور حافظ پر داد و تحسین کی بارش کر دی جس کے بعد اسی پر انہوں نے ایک پوری غزل کہہ دی۔ حافظ نے اسی طرح کی اور بہت ساری لاجواب غزلیں موقع و محل کی مناسبت سے بے تکلف چند لمحوں میں کہی ہیں۔

خواجہ صاحب کے بعد کے ممتاز ایرانی شعراء مثلاً بابا فغانی، نظیری نیشاپوری صائب تبریزی اور عرفی شیرازی وغیرہ نے بھی غزل سرائی میں ان کا تتبع کرنا چاہا، صائب تبریزی نے حافظ کا پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہا مگر ڈرتے ڈرتے کہا: ع

رواست صائب اگر نیست ازرہ دعویٰ　　تتبعِ غزل خواجہ گرچہ بی ادبیست

(اے صائب اگر دعوے سے نہ ہو تو خواجہ کی غزل پر غزل کہنی جائز ہے، اگرچہ یہ بھی بے ادبی ہے)، عرفی شیرازی حافظ کی شعریت اور فنی کمال سے متاثر ہو کر کہتے ہیں۔ ع

بر آں تتبعِ حافظ رواست چوں عرفی　　کہ دل بکاو دو درد سخنوری داند

(حافظ کی پیروی عرفی کے لیے جائز ہے کیونکہ حافظ آداب سخنوری سے واقف ہے)، عرفی خواجہ حافظ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں۔ ع

بگردِ مرقد حافظ کہ کعبۂ سخن است　　در آمدیم بعزم طواف در پرواز

(حافظ کا مزار جو کہ شاعری کا کعبہ ہے اس کے ارد گرد طواف کے ارادے

سے ہم نے اڑنا شروع کیا)، عرفی کا خواجہ کے مرقد پاک کو کعبۂ سخن کہنا خواجہ کی عظمت اور امتیاز کی ایک واضح دلیل ہے۔

سلیم تہرانی خواجہ کے کلام کی پیروی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ع

سلیم معتقدِ نظم خواجہ حافظ باش　　کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

(سلیم خواجہ حافظ کا معتقد رہ کیونکہ ان کی شراب میں نشہ زیادہ ہے)

ایک فارسی شاعر حافظ کے شاعرانہ مقام و مرتبے کا یوں معترف ہے۔ ع

حافظ کہ لسان غیب آمد　　در گلشن جاں کیسب آمد

ناکردن احترام شعرش　　در معرض عقل عیب آمد

(حافظ کہ لسان الغیب ہے ان کا کلام باغِ جاں کے لیے بمنزلہ آب رواں کے ہے۔ اس کے اشعار کی عزت اور قدر نہ کرنا عقل کے نزدیک بُرا ہے)

ان فارسی شعراء کے علاوہ ہندوستانی شعراء نے بھی حافظ کو بنظر تحسین دیکھا اور ان کے مقام و مرتبے کی اہمیت کا اندازہ کیا۔ ان کے سیکڑوں مضامین اور خیالات اردو شعراء نے اردو شاعری میں منتقل کیے ہیں جن سے حافظ کی مقبولیت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ اس قسم کے چند اشعار مثالاً درج ہیں:

خواجہ: آئینِ تقویٰ ما نیز دانیم　　لیکن چہ چارہ با بخت گمراہ

غالب: جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

خواجہ: گر ز مسجد بخرابات شدم خردہ مگیر ∴ مجلس وعظ دراز است و زماں خواہد شد

قائم: مجلسِ وعظ تو تا دیر رہے گی قائم ∴ یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

خواجہ: نخواہد این چمن از سرو لالہ خالی ماند ∴ یکی ہمی رود و دیگری ہمی آید

برق : ایک جاتا ہے تو آتا ہے عدم سے دوسرا :: اس کی محفل کا کبھی خالی مکاں ہوتا نہیں

خواجہ : دردیست در عشق کہ ہیچش علاج نیست :: چندانکہ سعی بیش نمائی بتر شود

مومن : مریضِ عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

خواجہ : بخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوئے دوست :: از غیرتِ صبا نفسش در دہاں گرفت

سودا : چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا صبا نے مار تماچہ منھ اس کا لال کیا

اردو کے مشہور ادیب و ناقد ڈاکٹر یوسف حسین خاں حافظ اور اقبال کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" حافظ اور اقبال دونوں فارسی زبان کے بلند پایہ شاعر ہیں۔ حافظ کا تو کہنا ہی کیا! اس کا نام دنیا کے گنے چنے عظیم شاعروں کی فہرست میں شامل ہے۔ وہ فارسی زبان کا بلاشبہ سب سے بڑا شاعر ہے۔ اس کا پیرایۂ بیان بے مثل ہے۔ خود ایران میں اس کے بعد آنے والے شاعروں نے اس کے طرز و اسلوب کی تقلید اپنے لیے ناممکن خیال کی۔" (حافظ اور اقبال ص ۳۳۰)

اقبال نے حافظ کی کہاں تک پیروی کی اور کس حد تک وہ اس میں کامیاب ہوئے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں:

" میں آخر میں پھر اپنے اس خیال کو دہراتا ہوں کہ فارسی زبان کا کوئی شاعر طرز و اسلوب اور پیرایۂ بیان میں حافظ سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ اقبال ہے۔ اس کے ماسوا دوسرا کوئی شاعر حافظ کا تتبع نہ کر سکا۔ اقبال کو اس ضمن میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ میں اسے حافظ کے روحانی فیض اور خود اس کی اپنی ریاضت کا ثمرہ خیال کرتا ہوں۔" (حافظ اور اقبال ص ۳۱۲)

غور کا مقام ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں حافظ کی کتنی اہمیت اور وقعت ہے کہ اقبال جیسے عظیم شاعر کو حافظ کا مقرب سمجھتے ہیں اور اس پر بھی ان کا ایمان ہے کہ اقبال نے حافظ سے فیضِ روحانی حاصل کیا ہے جبھی تو اقبال نے بھی حافظ پر بعض پہلوؤں سے تنقید کرنے کے باوجود اپنے شاگرد اور دوست خلیفہ عبدالحکیم سے کہا تھا کہ " بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حافظ کی روح مجھ میں حلول کر گئی ہے"۔ (ذکر اقبال، ص ۳۰۴) واقعی اقبال کا یہ جملہ حافظ کی شاعرانہ عظمت کی واضح دلیل ہے۔

مشہور مستشرق کپتان کلارک (COL. WILBER CLARK) جنھوں نے دیوانِ حافظ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے حافظ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مقدمہ کے صفحہ ۱۳۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

" رزمیہ شاعری میں فردوسی کی فصاحت و بلاغت اور سعدی کی پاکیزگی اور اخلاق بلاشبہ ممتاز مقام رکھتا ہے مگر حافظ کا دیوان ان سے بھی زیادہ بلندی کا حقدار ہے"۔

اسی طرح مولانا سودی اپنے مرتب کردہ شرح دیوان حافظ مطبوعہ قسطنطنیہ میں حافظ کی شاعری کی بابت اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:

" حافظ کا کلام نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے وہ آبِ حیات میں نہایا ہوا ہے اور خوبصورتی میں بہشتی حور کے برابر ہے"۔ (حیاتِ حافظ)

حافظ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے سر گرازلی مؤلف "یادداشتہائی تاریخی در باب شعرا ایران" اپنی تصنیف صفحہ ۲۳ پر رقمطراز ہیں:

" سبک سخن وی روشن و متناسب و بی عیب است و مراتب کمال علم و بلوغ

دانش اور انسان میدہد کہ چگونہ بر باطن و حقایق اشیار مانند ظواہر امور بصیرت
داشتہ است۔ لیکن از ہمہ بالاتر آنکہ کلام او بقدری جذاب و فتان است کہ
ہیچیک از شعراء دیگر بپایۂ او نمیرسند"۔

یعنی حافظ کی بے عیب، متناسب و روشن اور مخصوص پیرایۂ سخن پر مشتمل شاعری اس کے مراتب کمال اور مرتبۂ علم و فضل کی نشاندہی کرتی ہے کہ حافظ کس قدر ظاہر و باطن حقایق پر بصیرت رکھتا ہے۔ لیکن ان تمام امور سے بڑھ کر اس کا وہ مجذوبانہ کلام ہے کہ اس معاملے میں کوئی بھی شاعر اس کے مقام و مرتبے کو نہ پہنچ سکا۔

حافظ سے متعلق ہرمان بکنل (Herman Bicknell) کا خیال ہے کہ:

" حافظ زندہ دلی کے ساتھ عشق و محبت کے جذبات بیان کرتا ہے اس کا فطری اور برجستہ کلام دلآویز تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ دنیا کے علم و ادب میں ایک نہایت ممتاز درجہ رکھتا ہے اس کی خاص سلطنت میں کوئی اس کا ہم پایہ نہیں ہے، اس کے کلام میں گو بے انتہا آزادی اور خوشی ہے مگر کہیں الحاد کا رنگ نہیں پایا جاتا۔ اس کی خوشی کے ساغر میں دہریت کی تلخی مطلق نہیں ہے اس پر جس طرح ایشیا فدا ہے اسی طرح یورپ بھی مفتون ہے"۔ (بحوالہ حیات حافظ)

مسٹر ولیم اوسلی (W.Ouseley) حافظ کی عظمت کا یوں قائل ہے:

" حافظ کا کلام نہایت صاف اور سادہ، شیریں اور ترنم ریز ہے، وہ محض جذبات اور حقیقی اسرار سے لبریز ہے مگر ان سب سے بڑھ کر اس کا وہ بلند اسلوب بیان ہے جس کی برابری آج تک کسی سے نہ ہو سکی"۔ (حیات حافظ)

مشہور ایرانی ادیب اور دانشور ڈاکٹر علی اصغر حکمت نے جو ماضی میں ایران کی

جانب سے سفیر ہند رہ چکے ہیں اپنے مطبوعہ خطبات (Glympses of Persian Literature) کے صفحہ ۷۹ پر حافظ کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اسے عظیم ترین بے مثال شاعر فطرت بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی شاعرانہ عظمت اور وقعت مسلم ہے۔

اسی طرح (Encyclopedia of World Biography) میں حافظ کو اسلامی دنیا کا ایک عظیم ماہر لسانیات، باکمال صاحب فن و ادیب کہا گیا ہے (ص ۳۴)

" No other poet upto his time in the Islam World was such a superb linguist and literary craftsman."
(E.W.B. Vol V P. 34)

یہ اقوال و آراء شاہد ہیں کہ حافظ عظیم ترین شاعر تھے اور ان کی سلطنت سخنوری میں کوئی ان کا ہمسر اور ہمرکاب نہ ہو سکا۔ اس سے بڑھ کر حافظ کی شاعرانہ عظمت کا اور کیا ثبوت ہوگا کہ گو وہ کئی صدی قبل وفات پا چکے مگر آج بھی دنیا میں ان کی شاعری کی دھوم ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں مثلاً انگریزی، ترکی، اردو، بنگالی، پنجابی، لاطینی، فرانسیسی، جرمنی اور چینی وغیرہ میں حافظ کے دیوان اور اس کی منتخب غزلوں کے ترجمے شایع ہو چکے ہیں۔ حافظ پر سینکڑوں مضامین اور کتب بالخصوص انگریزی اردو اور فارسی میں لکھے گئے ہیں۔ بلاشبہ حافظ شیرازی نے اپنی زندۂ جاوید شاعری سے عوام و خواص کے دلوں میں ایسا گھر بنا لیا ہے جس سے ان کی شاعرانہ عظمت اور شان و شوکت کی قندیل ہمیشہ منور اور تاباں رہے گی اور اصحاب ذوق و ادب کو اپنی ضیا پاشی سے حیات ابدی بخشتی رہے گی۔ حافظ نے سچ کہا ہے: ع

کلک حافظ شکریں شاخ نباتست بچیں　　کہ دریں باغ نہ بینی ثمرے بہتر ازیں

فہرست ماخذ و منابع

۱- عبدالرحیم خلخالی : حافظ نامہ

۲- ڈاکٹر محمد معین : حافظ شیریں سخن

۳- محمد علی بامداد : الہاماتِ خواجہ یا حافظ شناسی

۴- رضا زادہ شفق : تاریخ ادبیاتِ ایران

۵- نورالدین عبدالرحمن جامی : نفحات الانس

۶- سعید نفیسی : اشعار و احوال حافظ

۷- مولانا الطاف حسین حالی : حیاتِ سعدی

۸- ڈاکٹر قاسم غنی : تاریخ عصر حافظ

۹- شرح حال لسان الغیب : سیف پور فاطمی

۱۰- محمد اسلم جیراجپوری : حیاتِ حافظ

۱۱- شبلی نعمانی : شعر العجم جلد دوم

۱۲- کپتان کلارک } شرح دیوان حافظ

۱۳- بکنل } و انتخاب غزلیات

۱۴- ولیم اوسلی } بزبان انگریزی

۱۵- علی اصغر حکمت : گلمپسس آف پرشین لٹریچر

احمد بن نصر الخزاعی اور اعتزال کے خلاف انکی تحریک

از کلیم صفات اصلاحی

"شیخ عبدالعزیز عمری کا ایک مضمون مذکورہ بالا عنوان سے مجلۃ التاریخ الاسلامی بابت ماہ جولائی تا دسمبر ۹۵ء عدد ۱ میں شائع ہوا تھا، جس کو کسی قدر حذف و اضافہ کے بعد قارئین معارف کی نذر کیا جاتا ہے۔"

نام و نسب | ابوعبداللہ احمد کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:

ابوعبداللہ احمد بن نصر بن مالک بن الہیثم بن عوف بن وہب بن عمیر بن عبدالعزی بن قیر بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو ابوعبداللہ الخزاعی[1]

ان کی نشوونما خزاعہ کے خالص عربی النسل قبیلے میں ہوئی تھی جو ایک صاحب اثر و رسوخ اور ممتاز قبیلہ تھا، عباسی تحریک اور دولت عباسیہ کے قیام میں اس خاندان کا خاص حصہ تھا اور اس کے بعض افراد اس تحریک کے داعیوں میں تھے اس لیے عباسی حکومت قائم ہونے کے بعد اس کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہوئی[2] کہا جاتا ہے کہ مالک بن الہیثم عباسی تحریک کے داعیوں میں تھے۔

احمد کے والد نصر بن مالک ذی علم اور صاحب حیثیت شخص تھے، ان کی علمی عظمت و بلند پائیگی کی بنا پر بعض محدثین ان کی خدمت میں بغداد تشریف لاتے تھے بغداد کا ایک

۱؎ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۷۳، ۲؎ ایضاً۔

باذاذ "سویقہ نصر" ان کے نام سے منسوب تھا۔[1]

ولادت اور نشو ونما | مورخین و اصحاب سیر نے خزاعی کی جائے ولادت اور سنہ پیدائش کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ ان کا سنہ وفات ۲۳۱ھ محقق ہے۔ جب کہ وہ بالکل بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔[2]

بعض سوانح نگاروں نے امام مالکؒ بن انس سے بھی خزاعی کے روایت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ جن کا انتقال ۱۷۹ھ میں ہوا[3] گویا امام مالک کی وفات سے قبل خزاعی سفر اور حصول علم کے لائق ہو گئے تھے۔ اس طرح اگر یہ مان لیا جائے کہ خزاعی امام مالک کی وفات کے وقت کم از کم پندرہ سال کے تھے تو ان کا سنہ ولادت ۱۶۴ھ متعین ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے انتقال کے وقت ان کی عمر ۷۰ سال رہی ہوگی۔[4]

حصول علم کے لیے سفر | خزاعی نے بغداد میں مستقل بود و باش اختیار کی تھی جو علماء و محدثین کا مرکز تھا، ان کے والد کے یہاں بھی اہل علم اور اصحاب حدیث کی آمد و رفت برابر رہتی تھی۔ اس لیے شروع میں انہوں نے اسی مرکز علم کے علماء و محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہوگا، پھر اپنی تشنگی علم بجھانے کے لیے انہوں نے دوسرے علمی مرکزوں کا سفر بھی کیا، چنانچہ وہ کئی مرتبہ حجاز گئے۔ ان کے شیوخ میں سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ) تھے جو مکہ میں ۱۶۳ھ سے ۱۹۸ھ تک مقیم تھے۔[5]

---

[1] البدایہ والنہایہ، ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۰۳ [2] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۷۸ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۸ [4] مجلۃ التاریخ الاسلامی کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ امام مالک بن انس کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اس وقت امام خزاعی ۱۵ سال کے تھے مگر انہوں نے خزاعی کا سنہ پیدائش ۱۶۲ھ لکھا ہے جو یقیناً غلط ہے [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲۰۔

اور امام مالکؒ کا مستقل قیام مدینہ منورہ میں تھا، ان دونوں بزرگوں سے تحصیل علم کے لیے وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔[1]

خزاعی کے شیوخ کی وفیات کی تاریخیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ انہوں نے بچپن ہی سے علم حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔

شیوخ و تلامذہ | خزاعی کے چند مشہور استادوں کے نام یہ ہیں:

"امام مالک بن انس (م: ۱۷۹ھ) حماد بن زید الابدی (م: ۱۷۹ھ) ہاشم بن بشیر (م: ۱۸۳ھ) رباح بن زید الصنعانی (م: ۱۸۷ھ) محمد بن ثور الصنعانی (م: ۱۹۰ھ) سفیان بن عیینہ (م: ۱۹۸ھ) عبدالعزیز بن ابی رزمہ (م: ۲۱۲ھ) حسین بن الولید القرشی (م: ۲۰۳ھ) حسین بن الواقد المزی (م: ۲۱۲ھ) حسین بن محمد بن بہرام (م: ۲۱۵ھ) وغیرہ[2]

ان کے چند تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں:

"یحییٰ بن معین (م: ۲۳۱ھ) احمد بن ابراہیم الدورقی اور ان کے بھائی یعقوب بن ابراہیم (م: ۲۴۶ھ) سلمہ بن شبیب النیشاپوری (م: ۲۴۶ھ) محمد بن عبداللہ المبارک المخرمی (م: ۲۵۶ھ) معاویہ بن صالح الاشعری (م: ۲۶۳ھ) محمد بن یوسف بن عیسی الطباع (م: ۲۷۵ھ) عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی (م: ۲۷۶ھ) محمد بن یوسف الصابونی الحافظ وغیرہ۔"[3]

خزاعی کے شیوخ و تلامذہ کبار محدثین اور مشہور علمائے رجال میں تھے، جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہے۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۰۵ [2] ایضاً و مجلۃ التاریخ الاسلامی ص ۳۸ ماہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۵ء عدد ۱: ۱ [3] ایضاً۔

معاصرین کا اعتراف کمال احمد بن نصر کے معاصرین ان کے بڑے مداح تھے، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

"احمد بن نصر بن مالک پر اللہ رحم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہادت نصیب کی وہ گوناگوں اوصاف سے متصف تھے۔"[1]

احمد بن حنبل کا قول ہے:

"اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، وہ بڑے سخی اور فیاض تھے، انہوں نے اللہ کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔"[2]

سمعانی کا بیان ہے:

"احمد بن نصر صاحب علم وفضل تھے۔ وہ بھلائی کے لیے کوشاں، معروف کا حکم دینے والے اور حق گو تھے۔"[3]

علمائے جرح وتعدیل نے ان کو ثقہ، ثابت اور حجت کہا ہے۔

خزاعی کا زمانہ اوپر گزر چکا ہے کہ خزاعی نے امام مالک کا زمانہ پایا تھا، ان کی وفات سے قبل وہ سن شعور کو پہونچ چکے تھے، یہ دراصل دولت عباسیہ کے شباب کا زمانہ تھا۔ اسلامی علوم وفنون کی تدوین کی ابتدا اسی زمانہ میں ہوئی اور مسلمانوں کی گوناگوں دماغی وعلمی ترقیوں کا بھی یہی زمانہ تھا، عباسی خلفاء کی نفاست ومدنیت پسندی نے ایرانی، کلدانی، مصری، رومی، یونانی اور ہندی تمدن کے گوناگوں رنگوں سے عرب کی سادگی کو منقش کر دیا تھا۔ اکابر علما اور ان کے علم وفن کے بہترین ذخائر اسی دور میں وجود میں آئے۔ خزاعی نے جن خلفاء کا زمانہ پایا اور جن کے ایام حکومت کے انقلابات بچشم خود دیکھے، وہ یہ ہیں:

[1] ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۰۵ [2] ایضاً ص ۳۰۶ [3] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۷۳

ہارون الرشید (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) محمد الامین (۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ) عبداللہ المامون (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) محمد المعتصم (۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ) ہارون الواثق (۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ)۔[1]

دارالسلطنت کی تبدیلی خزاعی نے مستقل بود وباش بغداد میں اختیار کی تھی اور یہی حکومت عباسیہ کا دارالسلطنت بھی تھا۔ وہاں کے لوگوں نے خلیفہ معتصم باللہ سے ترکوں کی شورش ویلغار کی شکایت کی اور کہا کہ ترک ہر وقت شہر میں دندناتے پھرتے اور گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں، اس سے عورتیں، بوڑھے، بچے کچلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ تہذیب ناآشنا ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کا بھی کوئی خیال نہیں کرتے۔ اس بنا پر معتصم نے جو ترک نواز تھا، ان کے لیے بغداد کے قریب ایک شہر سامرا آباد کرایا اور خود بھی وہیں مقیم ہو گیا، اس طرح دارالخلافہ بغداد سے سامرا منتقل ہو گیا۔[2]

خزاعی نے ہارون رشید اور امین کا بھی زمانہ دیکھا تھا لیکن مامون، معتصم اور واثق باللہ کا دور حکومت ان کی تحریکی اور سیاسی سرگرمیوں کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ خزاعی کو سمجھنے کے لیے ان میں سے ہر ایک کے دور حکومت کے انقلابات وتغیرات کا مختصر جائزہ لینا ضروری ہے۔

ہارون رشید کے زمانے میں دولت عباسیہ علمی، سیاسی، تمدنی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہونچ گئی تھی، اس کا بڑا وقار ودبدبہ تھا، مگر ہارون کی وفات کے بعد جب امین تخت نشین ہوا تو اس کی نااہلی نے سلطنت کے رعب ودبدبہ کو ختم کر دیا اور وہ مالی وسیاسی اعتبار سے بھی کمزور ہو گئی، اس کے اور مامون کے اختلافات کی بنا پر دولت اسلامیہ کے مشرقی علاقے سخت مصائب کا شکار ہو گئے اور بغداد میں لوگ بھوکوں مرنے لگے اور مختلف

[1] مجلۃ التاریخ الاسلامی، ص ۱۶۹ [2] طبری ج ۱۱ ص ۱۱۸۰۔

طرح کی وبائیں اور بیماریاں پھیل گئیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۸ھ میں امین کا قتل ہو گیا۔

امین کے قتل کے بعد بھی سورش و بغاوت باقی رہی، ہنگامہ پسندوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور کئی برس تک وہ بے چینی اور بدامنی کا سبب بنے رہے۔ اس وقت بغداد میں حسن بن سہل مامون کی نیابت کر رہا تھا، مگر یہ شورش پسندوں سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس لیے خلیفہ مامون کے خلاف بغداد میں بغاوت پھیل گئی تھی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر کچھ امن پسند اور دیندار لوگوں نے بدامنی کو روکنے کی کوشش کی جس میں بڑی مشکلوں سے ان کو کامیابی ہوئی[1] امام خزاعی کا تعلق بھی اس امن پسند گروہ سے تھا جس کی سعی و کوشش سے بغداد میں امن و امان قائم ہوا۔ تب ۲۰۴ھ میں مامون بغداد آیا[2]

فتنۂ اعتزال اس بے امنی و بے اطمینانی کے فرو ہونے کے بعد اعتزال کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور مامون کے زمانے ہی میں اس کی جڑیں دور دور تک پھیل گئیں۔ خود معتزلی علماء سے متاثر ہو کر عقیدۂ خلق قرآن کا بڑا پُرجوش حامی اور مبلغ بن گیا تھا۔ مامون اس میں اتنا متشدد تھا کہ جو اس کا انکار کرتا اسے سخت سزا دیتا۔ اس عقیدہ کو عام کرنے کے لیے وہ علماء و محدثین سے بالجبر اس کا اقرار کرانے لگا۔ بغداد کے گورنر اسحٰق بن ابراہیم کے پاس شاہی فرامین روانہ کیے کہ وہ بغداد کے علماء و قضاۃ کو اس پر آمادہ کرے اور انکار کرنے پر ان سے سختی کا برتاؤ کرے اور انہیں میرے پاس بھیج دے۔ چنانچہ کئی علماء و محدثین بغداد سے مامون کے پاس پابجولاں بھیجے گئے، جن کے سرخیل امام احمد بن حنبل تھے جن سے مامون اپنی وفات تک خلق قرآن کا اقرار نہ کرا سکا[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۳۰۳ [2] تاریخ ابی الفداء ج ۲ ص ۲۲ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۳۴۱۔

اس کے جانشین و فرزند معتصم باللہ کا دورِ حکومت بھی محدثین و فقہاء اور مذہبی پیشواؤں کے لیے بڑی ابتلا و آزمائش کا تھا۔ اس نے بھی مسلکِ اعتزال کی اشاعت و فروغ میں باپ کے نقشِ قدم کو اپنایا اور اس کی وصیت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ پر بڑے مظالم ڈھائے اور معلموں کو حکم دیا کہ وہ اس عقیدہ کی تعلیم دیں[1]

اس کے بعد واثق کا زمانہ آیا وہ باپ سے بھی زیادہ ترک نواز تھا، اس لیے اس کے خلیفہ ہونے کے بعد ترکوں کو اور زیادہ عروج حاصل ہوا۔ واثق نے بھی خلق قرآن کے عقیدے میں شدت اختیار کی۔ چونکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان مسلسل جنگ ہو رہی تھی جس کی بنا پر طرفین کے ہزاروں قیدی ایک دوسرے کے پاس گرفتار تھے، ۲۳۱ھ میں ان کا تبادلہ ہوا۔ اس تبادلہ میں واثق اپنے متعصبانہ عقیدہ کی بنیاد پر مسلمان قیدیوں سے خلق قرآن کا اقرار کراتا اور اپنے ہم عقیدہ قیدیوں کو چھڑا کر دوسرے قیدیوں کو بدستور رومیوں کی قید میں چھوڑ دیتا[2]

مذکورہ بالا خلفاء کے دور کے حالات و واقعات کا اثر خزاعی کی زندگی پر بھی پڑا، انہوں نے جہاں ہارون و مامون اور معتصم کی عظمت و شان اور جاہ و جلال کے مناظر دیکھے وہاں واثق کی بے بسی اور ترکوں کی عباسی حکومت پر بالادستی کا عبرت آموز تماشہ بھی دیکھا۔ لیکن اس انقلاب و تغیر کے باوجود بغداد کی علمی و دینی مرکزیت ان کے زمانہ میں برقرار رہی اور بڑے بڑے ممتاز علماء و فضلاء پیدا ہوئے، نامور محدثین میں یحییٰ بن معین (م: ۲۳۳ھ) صاحب مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ (م: ۲۳۵ھ) امام احمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ) امام بخاری (م: ۲۵۶ھ) جیسے اساطین، شعراء میں ابوالعتاہیہ (م: ۲۱۱ھ) ابوتمام (م: ۲۲۶ھ)

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۳۴۱ [2] ابن اثیر، ج ۷، ص ۱۴۔

وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔[1]

خزاعی کی دعوت امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ امین کے قتل کے بعد بغداد کے حالات بہت ابتر ہو گئے تھے۔ مامون اس وقت خراسان میں تھا، یہ بحرانی حالات دیکھ کر ۲۰۱ھ میں کچھ لوگوں نے امام خزاعی کے ہاتھ پہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بیعت کی، جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور ان کا اثر اس قدر بڑھا کہ جلد ہی بغداد کے مشرقی علاقوں کے حالات پُر سکون ہو گئے۔[2]

خزاعی کی تحریک کا بنیادی اور اصلی سبب اہل بغداد کو امن و امان سے ہمکنار اور عمال کی پشت پناہی کرنا تھا، چونکہ وہ ایک دینی دعوت لے کر اٹھے تھے اسی لیے اس سے ہر خاص و عام وابستہ ہو گیا۔ یہ تحریک بڑی منظم تھی۔ اس میں ان کے حامیوں اور شر پسندوں سے لڑنے والوں کے نام درج تھے۔[3] خزاعی نے تقریباً تیس سال تک اس تحریک کی قیادت کی۔ لیکن مامون کے بغداد آنے کے بعد وہ اپنی دعوت و تبلیغ کا کام چھپ کر انجام دیتے رہے، ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"احمد بن نصر مامون کا حکم دیتے اور منکرات سے روکتے، مامون بغداد آیا تو احمد روپوش ہو گئے۔"[3]

بغداد میں سہل بن سلامہ بھی خزاعی تحریک کے حامیوں میں تھے۔ مامون نے ان دونوں بزرگوں کو تلاش کرایا تو سہل بن سلامہ اس کے ہاتھ لگ گئے، معافی کے بعد ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر امام خزاعی اپنے گھر سے ہی چھپے رہ کر پوشیدہ طور سے

[1] مجلۃ التاریخ الاسلامی ص ۹۰ [2] تاریخ طبری ج ۱۱ ص ۴۳ ۱۳ [3] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۸۰، بحوالہ مجلۃ التاریخ الاسلامی ص ۱۰۷۔

تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے لیکن مامون کے دربار میں جانا اور اس کا مقرب بارگاہ ہونا گوارا نہ کیا۔[1]

اس تحریک کے مبلغین بغداد کے مختلف علاقوں میں دعوت کا کام کرتے تھے۔ ہر داعی اپنے علاقے کا ذمہ دار ہوتا۔ اس کے اخراجات کی تنظیم متکفل ہوتی تھی۔[2]

خزاعی کی بغاوت اور گرفتاری تحریک سے علاوہ محدثین کی وابستگی اور اس کی مقبولیت عامہ کی بنا پر جب وہ منظم و مستحکم ہو گئی تو خزاعی نے علی الاعلان فتنۂ اعتزال کی مخالفت اور خلیفہ واثق کو برا بھلا کہہ کر لوگوں کو اس سے متنفر کرنا شروع کر دیا، مورخ طبری ۲۳۱ھ کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"تحریک کے حامیوں اور دیندار لوگوں نے عوام سے ملاقات کر کے انہیں بتایا کہ ایک محلہ میں اگر فاسق دس ہوں گے تو تمہاری تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے اگر تم لوگ متحد ہو کر ان کا مقابلہ کرو تو بڑی آسانی سے ان پر غالب ہو سکتے ہو۔"[3]

شعبان ۲۳۱ھ میں خزاعی کے پیروؤں نے ایک مقررہ شب میں بغداد کے مشرقی و مغربی دونوں حصوں میں حکومت کے خلاف بغاوت کا پروگرام بنایا، چونکہ خزاعی کی تحریک سے ہر طرح کے لوگ منسلک ہو گئے تھے۔ ان میں سے قبیلۂ بنو اشرس کے لوگ بھی تھے، ان کے دو آدمیوں نے نبیذ پی اور نشہ میں مقررہ شب سے پہلے ہی طبل بجانا شروع کر دیا، لیکن کسی پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اتفاق سے اس وقت پولیس افسر اسحاق ابن ابراہیم بغداد میں موجود نہیں تھا اور اس کا بھائی محمد بن ابراہیم اس کی نیابت کر رہا تھا، اس نے طبل کی آواز سن کر کچھ لوگوں کو اس کی تحقیق پر مامور کیا۔ مگر کچھ معلوم

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۷۶، [2] ابن اثیر ج ۷ ص ۱۴، [3] طبری ج ۱۱ ص ۴۳ ۱۳ [4] ایضاً ص ۱۰۰۸

نہ ہوسکا لیکن مزید تحقیق کے بعد عیسیٰ اعور نے بنی اشرش اور احمد بن نصر کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو موردِ الزام قرار دیا جو گرفتار کر لیے گئے، تفتیش کے نتیجہ میں بنی اشرش کے گھروں سے دو سبز رنگ کے جھنڈے برآمد ہوئے۔ جو بنی عباس کی مخالفت کا نشان تھے خزاعی کے یہاں سے کوئی چیز نہیں برآمد ہوئی تھی مگر ان کے ملازم کے اقرار کرنے کی وجہ سے وہ بھی ماخوذ کر لیے گئے اور محمد بن ابراہیم نے انہیں واثق کے پاس سامرا بھیج دیا۔[1]

مگر یہ واقعہ گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے جو ممکن ہے خزاعی کی مقبولیت اور ان کی تحریک کو بے اثر کرنے لیے گھڑا گیا ہو۔

خزاعی کی شہادت سامرا میں واثق نے احمد بن ابی داؤد اور دوسرے اور اعیانِ سلطنت کے روبرو خزاعی سے دریافت کیا کہ قرآن مجید کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا۔ امیرالمومنین" قرآن اللہ کا کلام ہے"۔ واثق نے پھر پوچھا۔ کیا قرآن مخلوق ہے؟ انہوں نے پھر وہی جواب دیا" قرآن اللہ کا کلام ہے"۔ واثق نے پھر سوال کیا۔ قیامت اور رویتِ باری کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ خزاعی نے کہا امیرالمومنین اس کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے" قیامت کے روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے جو اپنے رب کو دیکھیں گے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" تم اپنے رب کو قیامت کے روز چودھویں رات کے چاند کی طرح دیکھو گے"۔ خطیب بغدادی کے بیان کے مطابق واثق نے یہ بھی کہا کہ کیا کوئی شخص ذاتِ باری کو محدود و مجسم دیکھ سکتا اور کوئی جگہ اس کو محیط ہوسکتی ہے؟ تو خزاعی نے انکار کیا،

[1] ابن اثیر ج ۷، ص ۱۴۔

انہوں نے جو حدیث پیش کی تھی واثق نے اس کی تردید کی مگر خزاعی نے کہا مجھ سے سفیان بن عیینہؒ نے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے" ابن آدم کا دل اللہ تعالیٰ کی دونوں انگلیوں کے درمیان میں ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق اسے اللہ بدلتا ہے اور رسول اللہؐ دعا فرماتے تھے۔" اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جما دے"۔ یہ سن کر اسحٰق بن ابراہیم گویا ہوا ذرا دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ اس پر اس سے ان کی کسی قدر ردوکد ہوئی، پھر واثق نے حاضرین سے ان کی رائے دریافت کی تو شرقی حصے کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق نے جو اس سے قبل ان کے والد نصر سے دوستی کے جرم میں معزول کر دیے گئے تھے کہا امیرالمومنین! یہ شخص مباح الدم ہے۔ ابو عبداللہ ارمنی نے کہا، اے امیرالمومنین! مجھے اس شخص کا خون پلایئے۔ قاضی ابوداؤد نے کہا، امیرالمومنین یہ کافر ہے اس سے توبہ کرائیے۔ غالباً اس کو خلل دماغ کا عارضہ ہے۔

اس استفتا کے بعد خود واثق نے اپنے ہاتھوں سے ان کا سر قلم کیا[1]۔ جو کچھ دنوں تک بغداد کے مشرقی جانب اور پھر کچھ دنوں مغربی جانب لٹکایا گیا، باقی جسم سامرا میں مصلوب تھا اور چھ برس بعد متوکل کے زمانہ میں مالکی مقبرہ کے مشرقی حصے میں دفن کیا گیا۔ ان کے کان میں یہ رقعہ لکھ کر ڈال دیا گیا تھا کہ یہ کافر، مشرک، گمراہ احمد بن نصر الخزاعی کا سر ہے۔ جس کا قتل عبداللہ ہارون امام واثق اللہ کے ہاتھوں سے ہوا[2]

اس طرح احمد بن نصر الخزاعی اپنی تحریک اور مذہب اعتزال کے خلاف سخت موقف اختیار کرنے کی وجہ سے شہادت کے منصب پر فائز ہوئے[3]

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۰۵ [2] ایضاً۔

اخبار علمیہ

حکومت ہند کی وزارت انسانی وسائل کے شعبۂ تعلیم کے تحت ایک اہم ادارہ نیشنل بک ٹرسٹ کے نام سے قائم ہے، اس کا مقصد تہذیب و تمدن، تاریخ، سائنس اور جدید موضوعات پر ملک کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی طباعت و اشاعت ہے، اردو زبان بھی اس کے دائرہ عمل میں شامل ہے، ٹرسٹ کا ایک چار ورقی خبرنامہ بھی اردو میں شایع ہوتا ہے، جس سے اس کی کارکردگی کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً گزشتہ سال ہندوستان کی آزادی کی پچاسویں سالگرہ پر اس نے لندن میں مطبوعات کی نمایش کی اس میں اردو کتابیں بھی شامل تھیں، اس نمایش کو توقع سے زیادہ کامیابی ملی اور قریب بیس ہزار پاؤنڈ کی کتابیں فروخت ہوئیں، یہ بھی معلوم ہوا کہ دلی پبلک لائبریری کو بھیجی جانے والی جدید مطبوعات کے اعداد اردو کے حق میں حوصلہ افزا نہیں، یہ لائبریری ان چار بڑی لائبریریوں میں شامل ہے جن کو ڈلیوری آف بکس ایکٹ ۱۹۵۴ء کے تحت نئی کتابیں بھیجنا ضروری ہے، اپریل ۹۷ء سے ستمبر ۹۷ء تک اس لائبریری کو جو جدید کتابیں موصول ہوئیں ان میں اردو کا حصہ صرف ۲٫۶۲ ہے یعنی انگریزی کی ۱۱۹۰، ہندی کی ۱۵۸۳، مراٹھی کی ۱۴۳، بنگالی کی ۲۰۸ کتابوں کے مقابلہ میں اردو کتابوں کی تعداد صرف ۱۰۱ تھی، اردو ناشرین کی بے توجہی اور شاید قانون سے لاعلمی سے یہ عین ممکن ہے کہ یہ اعداد بالکل درست نہ ہوں لیکن نیشنل بک ٹرسٹ کے اردو ذمہ داروں کو اس سے تشویش ہے، چنانچہ اردو کتابوں کی توسیع و اشاعت کا ایک

منصوبہ ان کے زیر غور ہے اور اس کے لیے انہوں نے اردو کے بہی خواہوں سے مشوروں اور تجویزوں کے ذریعہ تعاون کی درخواست کی ہے، ان کا پتہ ہے: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، اے - ۵، گرین پارک، نئی دہلی۔

آثار قدیمہ کے سلسلہ میں ایک اہم خبر یہ ہے کہ عرصہ سے امریکی سیاح اور تفتیشی طیارے کشتی نوحؑ کی تلاش میں سرگرداں تھے، مشرقی ترکی میں کوہ ارارا ط ان کا مرکز تھا، بائبل اور دیگر عوامی روایتوں کے مطابق سفینۂ نوح یہیں آکر ٹھہرا تھا، چنانچہ اس علاقہ کی ہزاروں تصویریں حاصل کی گئیں، بعض تصویروں میں فراز ارارا ط پر ایک کشتی نما شے صاف ظاہر ہے، ورجینیا یونیورسٹی کے پروفیسر ٹیلر نے چند تصویریں دیکھ کر یہ اظہار خیال کیا کہ یہ کشتی کے باقیات ہیں جن کو برفیلی چٹانوں سے نقصان پہنچا ہے، اس کی وضع ظاہر کرتی ہے کہ یہ انسانی ہاتھ کی کاوش ہے، ممکن ہے حادثہ کا شکار یہ کوئی ہوائی جہاز بھی ہو، حکومت اور انتظامیہ نے ان تصویروں کے متعلق کوئی حتمی رائے دینے سے گریز کیا ہے اور اس کی وجہ مذہبی موضوع کی نزاکت بتائی جاتی ہے، اس اضطراب رائے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تمام قیمتی تصویریں مشہور امریکی جاسوس ادارہ سی آئی اے کی تحویل میں ہیں جن کو اس نے ارارا ط کے ملبہ سے موسوم کیا ہے، اب یہ مطالبہ شدت سے ہو رہا ہے کہ ان تصویروں کو منظر عام پر لایا جائے، چنانچہ اب ان کو قومی آثار قدیمہ کے محکمہ کے حوالہ کیا جارہا ہے جس سے قوی امید ہے کہ ان تصاویر کی روشنی میں کوئی حتمی رائے قائم ہوسکے گی، سی آئی اے کے ایک وظیفہ یاب ماہر تصاویر مسٹر ڈائن برو گیونی نے یہ ضرور کہا کہ تصویریں تو صاف ہیں جن سے کشتی نما کوئی شے ظاہر ہوتی ہے، لیکن یہ بائبل کے اس بیان کے مطابق بھی نہیں کہ کشتی نوحؑ کی

لمبائی تین سو، چوڑائی پچاس اور اونچائی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔

ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (اے ایس آئی) کے دامن میں بھی ایک بیش قیمت دولت موجود ہے لیکن حفاظت کے خیال سے اب تک اس کو عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، قریب گیارہ سال پہلے اڑیسہ میں ایک کھدائی کے دوران گوتم بدھ کے استخوانی تبرکات حاصل ہوئے تھے، ماہرین تاریخ کی نظر میں یہ باقیات اشوک اعظم کے عہد میں استوپوں میں محفوظ کر دیے گئے تھے، یہ کئی پرتوں والے صندوقچہ میں رکھے گئے تھے، چین کے جادوئی ڈبوں کے مانند اس صندوقچہ کی ہر پرت قیمتی پتھروں اور چاندی سے مرصع ہے، استخوان بدھ کو سونے میں ملفوف کیا گیا تھا کہ اس کو بقائے دوام حاصل رہے، سیاحوں اور زائرین کیلئے یہ حد درجہ قیمتی متاع اے ایس آئی کے آہنی کمرہ میں صرف اس لیے مقفل ہے کہ وہ اس کی خاطر خواہ حفاظت سے قاصر ہے، گو اس کا منصوبہ یہ ہے کہ ان آثار و باقیات کو بدھوں کے چار مقدس شہروں نالندہ، بودھ گیا، ویشالی اور للت گیری میں میوزیم تعمیر کرکے ان میں محفوظ کر دیا جائے، لیکن اس کو اس کی تعمیر کے لیے ناکافی سرمایہ کا شکوہ ہے، ٹائمز آف انڈیا نے اس رویہ کو بے حسی بلکہ مجرمانہ ضیاع سے تعبیر کیا ہے، ایسا ہی معاملہ نظام دکن کے ہیروں اور جواہرات کے ایک عدیم المثال خزانہ کے متعلق بھی سامنے آیا ہے، حال ہی میں نیشنل میوزیم نے ایک طویل قضیہ کے بعد اسے اپنے قبضہ و تصرف میں حاصل کر لیا، ماہرین کا خیال ہے کہ ان میں زمرد کا ذخیرہ دنیا کے بہترین ذخیروں میں ہے، اس خزانۂ آصفیہ میں افسانوی ہیرا "جوہر یعقوب" بھی شامل ہے اور پورے خزانہ کی مالیت کا اندازہ اربوں کھربوں میں لگایا جاتا ہے۔

نیشنل میوزیم کے لیے اب مسئلہ یہ ہے کہ اس خزانہ کی نمائش کیسے کی جائے، اس کا خیرہ کن تماشا بہر حال عوام کی دید کا حق ہے، لیکن حفاظت کا مسئلہ یہاں بھی درپیش ہے، اب نیشنل میوزیم کو اپنے موعودہ ڈائرکٹر جنرل کی تقرری کا انتظار ہے کہ شاید وہی یہ مسئلہ حل کر سکیں۔

اُدھر یورپ میں گزشتہ دنوں یہ خبر علمی حلقوں میں ہلچل کا سبب بنی کہ البرٹ آئن سٹائن کا مشہور و مقبول نظریۂ اضافیت اس کا نہیں بلکہ سرقہ ہے، قریباً اسی برس پہلے جب اس نے یہ نظریہ پیش کیا تو اسے بیسویں صدی کا ایسا کارنامہ تصور کیا گیا جس نے آئزک نیوٹن کے اس نظریہ کشش و انجذاب کو زیر و زبر کر ڈالا جو ۱۶۸۷ء سے سائنس کی دنیا پر گویا حکمراں تھا، اسی نظریۂ اضافیت نے زمان و مکان کے اس ربط کا راستہ ہموار کیا، جس سے بعض اہم فلکیاتی واقعات مثلاً PULSARS اور QUASARS کی دریافت ممکن ہوئی، حال ہی میں ایک بلیک ہول کے نزدیک محو گردش ایک شکل کی رونمائی بھی اسی نظریہ کی دین قرار دی گئی، لیکن کچھ دنوں پہلے ایک جرمن سائنسداں اور صدی کے عظیم ترین ماہر ریاضی ڈیوڈ ہلبرٹ کے متعلق یہ تحقیق پیش کی گئی کہ انہوں نے ۱۹۱۵ء میں آئن سٹائن سے پانچ روز قبل ہی نظریۂ اضافیت کو مکمل کر لیا تھا، محققین نے صرف شرف اولیت پر بس نہ کیا بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا کہ آئن سٹائن نے اپنے حریف کے بعض اہم اقتباسات کا سرقہ بھی کیا، یہ بحث طویل ہوئی تو آئن اسٹائن کے طرف داروں نے جو برلن و بوسٹن کے محققین ہیں یہ جوابی الزام عائد کیا کہ یہ ہلبرٹ تھے جنہوں نے آئن سٹائن کے اہم نتائج کو نہایت ہوشیاری سے حاصل کرکے اپنے نام سے آئن سٹائن سے ذرا پہلے شائع کر دیا۔ امید ہے جریدۂ سائنس کے آئندہ شماروں میں اس بحث کے کچھ اور نئے گوشے سامنے آئیں گے۔

ع۔ص۔

ادبیات

قصیدہ در حمدِ باری تعالیٰ

از پروفیسر محمد ولی الحق انصاری

اے ربِ کائنات، شہِ دارِ مغفرت
آراستہ ہو عفو سے دربارِ مغفرت

جنسِ گناہ لے کے خریدارِ مغفرت
بیٹھے ہوئے ہیں بر سرِ بازارِ مغفرت

تو لطف اور کرم کا اک بحرِ بے کنار
اٹھتا ہے جس سے ابرِ گہر بارِ مغفرت

بستی گناہگاروں کی ہے سلطنت تری
تو منبعِ کرم ہے، جہاندارِ مغفرت

مسلک ہے اپنا پیرویِ فخرِ انبیا
ہے اپنے سامنے رہِ ہموارِ مغفرت

رہتا ہے جن کے پیشِ نظر روضۂ رسول
کرتے ہیں چشمِ دل سے وہ دیدارِ مغفرت

ہوتی ہے اس کی روح ثنائے رسولِ پاک
وہ بزم جس میں ہوتی ہے گفتارِ مغفرت

اصحابِ مصطفیٰ میں ہیں ایسے بھی دس بزرگ
پہلے ہی جن سے ہو چکا اقرارِ مغفرت

مقصد کسی کا خلد، کسی کا تلاشِ حق
سب کا نہیں ہے ایک سا معیارِ مغفرت

رہتی ہے جن کو لیلیٰ عرفان کی جستجو
ہیں والہانِ گیسو و رخسارِ مغفرت

دنیائے بعدِ مرگ کو کچھ بھی بتائیں لوگ
ہم تو یہ جانتے ہیں وہ ہے دارِ مغفرت

انصاف کے ہیں تحت سزا اور جزا اگر
روزِ ازل سے ان سے ہے پیکارِ مغفرت

غلمان و حور و سدرہ و طوبیٰ و قصرِ خلد
ہیں سب حقیقتاً گلِ گلزارِ مغفرت

کچھ بھی نہیں ہیں کوثر و تسنیم و سلسبیل
ان سب میں ہے رواں تمِ انہارِ مغفرت

دوزخ کے التہاب سے بچتا نہ خلد بھی
ہوتی اگر نہ بیچ میں دیوارِ مغفرت

ہوتی نہ روشنی کی کرن تک بہشت میں
ہوتے نہ جلوہ ریز اگر انوارِ مغفرت

دنیا میں اس کے لطف پہ تکیہ کیے تھے جو
بازارِ حشر میں ہیں خریدارِ مغفرت

مت پوچھیے صراط پہ ان کی سبک روی
دنیا سے لے چلے جنھیں رہوارِ مغفرت

ان کے دلوں میں پرسشِ محشر کا خوف کیا
جن کے سروں میں رہتا ہے پندارِ مغفرت

ان کی نظر میں کوثر و تسنیم سب ہیں ہیچ
جو ہیں شرابِ عفو سے سرشارِ مغفرت

نومید ہوں نہ لطف سے اس کے گناہگار
گنجینۂ کرم میں ہے انبارِ مغفرت

اظہارِ عفو اور صدورِ خطا کا ربط
غماز اس کا ہے، ہے گنہ یارِ مغفرت

آئے جو اس کے سایے میں پا جائے وہ پناہ
واقف ہیں اس سے ہم جو کردارِ مغفرت

دیکھو نہ عاصیوں کو حقارت کی آنکھ سے
ہے ان کے دم سے گرمیِ بازارِ مغفرت

امکان ہے کہ پائے گا ابلیس بھی نجات
ہو جائے گا کہیں جو وہ دوچارِ مغفرت

پاکر نہ اس کو اور بھی جل جائے گا جحیم
جب دیکھنے میں آئے گا شہکارِ مغفرت

رحمت سے اس کی لو جو لگائے ہیں زاہدو
تم سے زیادہ ہیں وہ سزاوارِ مغفرت

اس کی رضا عزیز ہے ہر چیز سے جنھیں
شکوے کو جانتے ہیں وہ انکارِ مغفرت

دوزخ بھی ان کے واسطے جنت سے کم نہیں
شعلوں کو وہ سمجھتے ہیں گلنارِ مغفرت

جاتے ہیں سوئے خلد نکل کر جحیم سے
یہ عفو کا کرشمہ ہے، وہ کارِ مغفرت

حور و قصور و باغ ہیں سب اس کا لازمہ
عاصی ولی ہے تجھ سے طلبگارِ مغفرت

آجائے جب جہاں سے وقتِ روانگی
دنیا میں بعدِ مرگ ہو اظہارِ مغفرت

روشن ہو اس کی قبر معطر ہو اس کا جسم
شانوں پہ اپنے لے کے چلے بارِ مغفرت

مطبوعات جدیدہ

خطباتِ اقبال، نئے تناظر میں

از جناب محمد سہیل عمر، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۳۰۷، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: اقبال اکادمی، پاکستان، چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور، پاکستان۔

علامہ اقبال کے کلام کے علاوہ ان کے خطبات بھی ماہرینِ اقبالیات کے اعتنا و توجہ کا مرکز ہیں، الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید کے موضوع پر ان کے خطبات کے مطالعہ، تشریح و تفسیر اور تحسین و تنقید کا سلسلہ جاری ہے، زیرِ نظر کتاب اس میں ایک عمدہ اور وقیع اضافہ ہے، یہ خطبات اصلاً عصرِ حاضر کے بعض مسائل و اشکالات کے جواب میں دینی حقائق کی جدید تعبیر ہیں، لیکن کلامی اور فلسفیانہ مباحث نے قدرتاً ان کی زبان و بیان کو مشکل اور پیچیدہ بنا دیا، جن کی تشریح وقتاً فوقتاً کی گئی مگر فاضل مصنف کی نظر میں ان میں مطالعہ، جرح و نقد اور ضروری وضاحتوں کی کمی اب بھی محسوس ہوتی ہے، مثلاً کیا اقبال کی شاعری اور خطبات میں ربط ہے؟ اگر ہے تو اولیت کس کو حاصل ہے؟ فکرِ اقبال کا اصل سرچشمہ کسے قرار دیا جائے اور یہ کہ یہ خطبات واقعتاً اصولِ دین کی تشکیل جدید کے معیار کے مطابق ہیں یا یہ محض عصری حالات و تغیرات کے وقتی عقلی حل کی شکل میں ہیں؟ فاضل مصنف نے اس کے لیے ہر خطبہ کے مرکزی نقطہ کی تلاش پر توجہ مبذول کی اور ثابت کیا کہ یہ خطبات جدید علمِ کلام کی بنیاد ہیں، کتاب کا اسلوب عالمانہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ خطبات کو آسان فہم بنایا جائے تاہم حرف آغاز میں جو سوالات

قائم کیے گئے تھے ان کا جواب بآسانی نہیں ملتا۔ خطبات سے متعلق تین اور اہم تحریریں بطور ضمیمہ شامل کی گئی ہیں، ایک میں اس اجمال کی تفصیل ہے کہ علامہ شبلی نے الکلام میں شاہ ولی اللہ کی ایک عبارت کو ناقص شکل میں نقل کیا اور علامہ اقبال نے اس پر اعتماد کیا، نتیجتاً مصنف کے نزدیک علامہ شبلی کے نتیجہ استدلال کے مانند اقبال بھی غلطی کے مرتکب ہوئے، یہ دلچسپ بحث دوسرے اہلِ قلم کے بھی غور و فکر کے لائق ہے، لیکن یہ لکھنا کہ "شبلی نے اپنے مخصوص اندازِ تالیف میں پہلے تو عبارت کے درمیان سے چھ سطریں حذف کر دیں پھر آخر کی دو سطریں اڑا دیں" متانت تحریر کے منافی اور علامہ شبلی کے طرزِ تالیف کے بارے میں ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی مفصل وضاحت کی ذمہ داری بھی ان پر آن پڑی ہے۔

عربی، فارسی، اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست

بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ اور مناسب کتابت و طباعت، مجلد، صفحات ۳۱۲ جلد دوم ۲۳۲، جلد سوم ۳۶۲، جلد چہارم ۱۸۱، جلد پنجم ۲۷۴، قیمت درج نہیں، پتہ: حضرت پیر محمد شاہ درگاہ شریف ٹرسٹ، پیر محمد شاہ روڈ، پانکور ناکہ، احمد آباد، گجرات۔

احمد آباد کی درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتبخانہ اور اس کی بعض مطبوعات کا ذکر پہلے ان صفحات میں ہو چکا ہے، یہ کتبخانہ اپنے قدیم نوادر اور اہم مخطوطات کی وجہ سے احمد آباد کے لیے سرمایۂ ناز و افتخار ہے، اس کے دامن میں مطبوعات کے علاوہ قریباً تین ہزار مخطوطات کا خزانہ موجود ہے، اس امانت کی حفاظت درگاہ شریف کے متولیوں اور کارکنوں کی بڑی ذمہ داری ہے، برسوں پہلے دارالمصنفین کے سابق رفیق مولانا ابوظفر ندوی نے کتبخانہ کی ترتیب و تنظیم اور فہرست سازی میں عملاً بڑی دلچسپی لی تھی، ان کے بعد

یہ بیش قیمت ورثہ قدر شناسوں کا منتظر رہا، خوشی ہے کہ فاضل گرامی ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی کی خاص توجہ اور علمی شغف اور پروفیسر محی الدین اور ڈاکٹر زبیر قریشی وغیرہ کی محنت ولیاقت سے اب اس خزانۂ نادرہ کی آب و تاب میں اضافہ ہو رہا ہے، ہمارے پیش نظر اس کتبخانہ کی فہرست مخطوطات کی پانچ جلدیں ہیں جن میں سولہ سو مخطوطات کا تعارف پیش کیا گیا ہے، قرآن مجید، حدیث، سیرت، فقہ، کلام و عقائد، تصوف، تاریخ، ادب، تعلیم، منطق، صرف و نحو، عروض و قوافی، ہیئت اور فلکیات وغیرہ موضوعات پر مشتمل مخطوطات کے مولف، کاتب، زمانۂ تالیف و کتابت، خط، موضوع، اول و آخر کی عبارت، اور مخطوطہ کی موجودہ حالت اور خصوصیت کے متعلق سلیقہ سے معلومات یکجا کیے گئے ہیں، اس کے لیے درگاہ شریف کے ذمہ داروں، مرتبوں اور محققوں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، انکی یہ علمی و تحقیقی خدمت قدردانوں کی ستائش و تحسین کی مستحق ہے، خوشی ہے کہ حکومت ہند کے محکمہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کا مالی تعاون بھی اس علمی منصوبہ کی تکمیل میں شامل رہا، البتہ اشاریہ کی کمی محسوس ہوتی ہے، موضوعاتی تقسیم سے بھی اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا۔

محبت الموسوم بہ روح حیات از جناب الحاج حکیم مولوی محمد یحییٰ عباسی مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گردپوش، صفحات ۲۳۰، قیمت درج نہیں، پتہ:

عقیفہ خاتون بنت حکیم مولوی محمد یحییٰ عباسی، قاضی ٹولہ، صدر چوک، مئو، یوپی۔

اعظم گڈھ کے جوار میں ضلع مئو کے عالم و طبیب جناب حکیم یحییٰ عباسی کی یہ کتاب انکے مطالعہ اور ذوق علمی کی ترجمان ہے، اس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی و معاشرت میں اسلامی احکام و ہدایات اور تعلق مع اللہ کے پر اثر مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے، ملائکہ و جن وانس کے مقصد تخلیق سے حقوق العباد تک کے یہ مضامین قاری کے لیے مفید و نافع ہیں، ایک مضمون میں محبت کے اقسام پر لطیف بحث ہے، استواء عرش، ضرورت رسل، ختم نبوت اور اولیاء اللہ پر بھی مضامین ہیں، البتہ فہرست موجود نہیں، مضامین کی ترتیب بھی اور بہتر ہو سکتی تھی، امید ہے آیندہ اڈیشن میں اس پر توجہ کی جائے گی۔

ع۔ ص۔